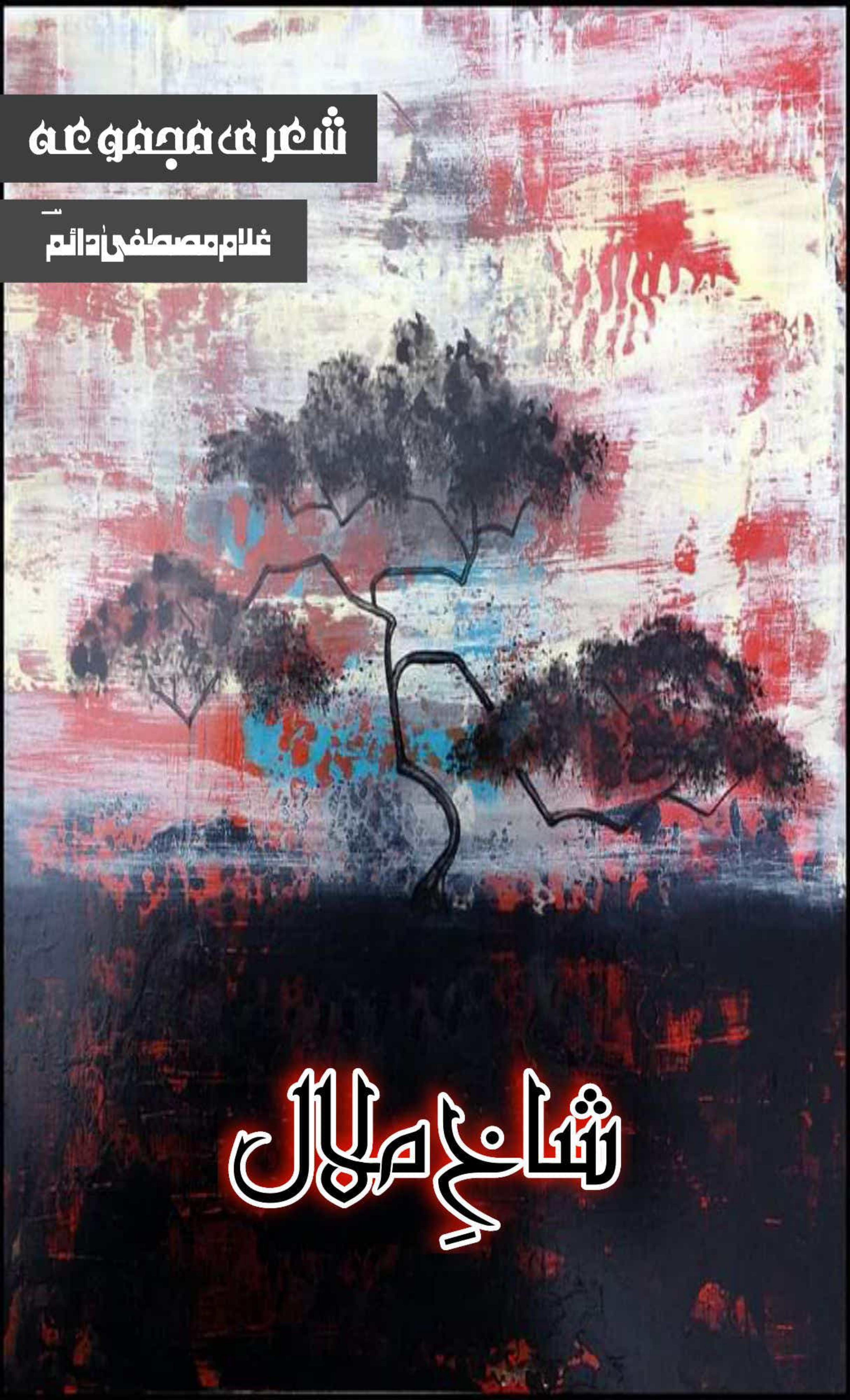

شعری مجموعہ

سے
غلام مصطفیٰ دائم

شاخِ ملال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شمار	سرِلوح	صفحہ
01	چُن رہا ہوں شوقِ طیبہ میں برس کی تیلیاں (نعت)	01
02	صبحِ ازل، آمادۂ فطرت نے جب بسم اللہ کیا (نعت)	02
03	دم بستہ ترے وصف میں ہر حلقۂ منطق (نعت)	03
04	.جھڑنے کی روش پھینکیں عصیانِ وضو خوردہ	04
05	گر پیشِ نظر عہدہ و زر ہو کے رہے گا	05
06	شبنم کی آنچ سے وہ جو سبزہ ہرا نہ تھا	06
07	عریانیِ اشرار پہ چادر تو تنی ہے	07
08	پوششِ چشمِ کاغذی میری	08
09	چٹان (نظم)	09
10	بھائی، کہ وفاؤں کا دیا ہے مرے گھر میں	10
11	اس بیخِ نخل میں تھا جو شامل، اداس ہے	11
12	ایک بے نام کے نام اخترِ ابلق پہنچا	12
13	تلاش (نظم)	13
14	قصّہِ چھڑا جو دشت میں ہم خُردگان کا	14
15	تقدیر کی یورش نے پچھاڑا سرِ بازار	15
16	تجدید اختراع کے ہر امتحاں کے ساتھ	16
17	آنکھ کے اندر عکس تراشا جس میں منظر تین	18

شمار	سرِلوح	صفحہ
18	نطق نے چھیڑی رنگ کی گرمی، تابشِ حرف کا حال نہ پوچھ	19
19	موجۂ ریگِ رواں کی ہے عناں گیر صبا	20
20	میں اپنا لہجہ بتاؤں گا اب نواؤں کو	21
21	گریزاں کیوں شجر سے ہو گئی تھیں	22
22	عبث مت جان اسے جو سلسلہ صدیوں سے جنباں ہے	23
23	کارگزاری (نظم)	24
24	پیشِ نظر بُت کے سرودِ کشتنی بے لاگ الاپ	26
25	سوالِ حُسن کی جنبش سے آب ہو جاؤں	27
26	پریم اوَستھا (نظم)	28
27	بھول بھٹک میں کھوج لگاوے یعنی اُس غم کیش کی آنکھ	34
28	میرے زوال کی جو چلی ہے خبر، غلط	35
29	گر منم صیدِ رختِ زَر، چہ عجب!	36
30	تعمیرِ دلِ زار کرو موسمِ گُل ہے	37
31	سرشت میں نہیں جس کی غبارِ آئندہ	38
32	یہ زمیں کا رختِ کہن زدہ جو سرِ حصالِ مآل ہے؛ پامال ہے	39
33	مرے خواب شار کے عکس تھے جو ڈھلے ہیں جاں سے پرے پرے	40
34	گرے پتوں پہ نوحہ کر رہا ہے	41
35	اک موئے اعتبار رہا بے خبر یہاں	43
36	بخشش کی وہ نگہ جو پڑی دو گھڑی کے بعد (نعت)	45
37	بامِ طلعت کی فنا فام بہارو! جاؤ	46
38	معرکہ (نظم)	47
39	اک لمس سے آگے (نظم)	53

شمار	سرلوح	صفحہ
40	تُو سمجھ رہا ہے مجھے دھواں، تری خیر ہو!	55
41	گناہِ عجز سے آلودہ کام ہے شاید	56
42	رنگ سے انگ کا تال ملا تھا، سمت نے پہیہ توڑ دیا	58
43	بے چہرگی نے اصل تماشا دکھا دیا	60
44	عشق کی روایت میں قاعدے نہیں رکھنا	61
45	پاکستان نعمت خدا کی (نظم)	62
46	خواب جزیروں پر آنکھوں کے عکس بنا کر چھوڑ دیے	64
47	آ کر میں یہاں دُور تلک دیکھ رہا ہوں	65
48	طاری عروسِ قلب پہ وجدانِ نعت ہے (نعت)	66
49	وُہ رخِ روشن مصلائے سجودِ صبح ہے	67
50	گماں کے دشت میں حِدّت سے تلملائے یقیں	68
51	حسنِ عالم کے ظاہر دقائق ہوئے	69
52	برملا اُلفت کا یُوں اظہار ہونا چاہیے	70
53	ان دیکھے رجحان کے بھیس میں کیسا نیا بازار لیا!	71
54	لطفِ ایثار کے شیدائی قریں ہوتے ہیں	72
55	خیالِ سرد جو لفظوں میں ڈھل کے نکلا ہے	73
56	اقدار کی خوشبو سے جو محرومِ بھی ہو	74
57	گرگِ باراں دیدہ (نظم)	76
58	خسِ خستہ جان سا بھی اگر کوئی درمیاں ہو تو لے کے آ	80
59	بزمِ عالم میں جو خمیازۂ رعنائی ہے	82
60	دوشاخہ شجرۂ نسب (نظم)	84
61	میں اپنی ہستی کے رُوبرو ہوں	88

شمار	سرِلوح	صفحہ
62	وحشت کا اک مقتل گرم مسلسل شام و پگاہ کیا	89
63	میں معاویہ! (نظم)	90
64	بے پیے ہی خمار سا کچھ ہے	95
65	سوچ کے زاویے منتشر ہو گئے	96
66	ساعتِ امکاں ڈوبی، ہوئی جب سرد نگاہ افشانِ کَون	97
67	کہاں امیروں کی شہرت کے اشتہار میں ہیں	98
68	جذبِ نوا بہ موجۂ نیل و فرات کر	99
69	سورج کے پیغام بروں کو دستِ سراب نے تھام لیا	100
70	نالہ سیلابِ نارِ گریہ ہے	101
71	سلام (نظم)	103
72	رُوئے احمد ﷺ سے پھُوٹی ہوئی روشنی (نعت)	106
73	بہ ظاہر یہ کارِ شریعت ہے فرض	107
74	ذہن کی لوحِ مزار پہ دائم یورشِ معنیٰ سمجھے کون؟	108
75	جو بزعم اپنے وفا کار بنا بیٹھا ہے	109
76	بے سمت رہ گزر پہ جو بوئے صبا گئی	110
77	میں لفظ لفظ کو لوحِ دہاں پہ دھرتا رہا	111
78	خوفِ نادیدہ (نظم)	112
79	قسمت سے تو افکارِ نیا گانِ کہن مانگ	113
80	عشق پروردگارِ ایماں ہے	114
81	موسم کی تلخ و تند لہروں کے سپاہی چل دیے	115
82	چارہ سازِ یاس و کلفت، تشنہ لب کی آرزو (نعت)	116
83	ولادت نامہ (نظم)	117

شمار	سرِلوح	صفحہ
84	لوحِ کن سے ہے رشتۂ بیباک	118
85	سوزِ کلفت جنھیں گوارا ہے	119
86	جنھیں ایّام نے تھی سر د نوائیَ بخشی (نعت)	120
87	عجب اپنی یارو! بسر ہو گئیَ	121
88	غموں کے پیڑ پہ تھی منتظر وہ پیلی آنکھ	122
89	زعمِ خودداری کا ٹوٹا آسرا میرے لیے	123
90	کیا کیا نہ مری عقل گماں بھول گئیَ ہے	124
91	سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا (نظم)	125
92	رگِ اوقات سے صدیوں نے نمو چُوس لیا	127
93	بارہ ربیعِ نُور کا فرمان برملا (نعت)	128
94	اپنی حرمت کا وہیں عکسِ اثر رکھتے ہیں	130
95	عصمتوں کے نوحے (نظم)	131
96	تعلّقات کے پھیلے حصار خانے میں	133
97	سرِلوحِ فغاں مرقوم ہے عنوانِ تنہائیَ	134
98	ڈاکٹر عبدالقدیر خان (نظم)	135
99	لذت کشانِ حسن کے پیشِ نظر گئیَ	139
100	اوّل اوّل لبھائیَ جاتے ہیں	140
101	مزاجِ ہمرہاں میں تشنگی تھی	143
102	مرے چاند! (نظم)	144
103	میں اس کے وہم کی سرحد پہ ایک بار آیا	147
104	بنائےَ ہست کی روز ایک اینٹ اتار آیا	148
105	تہِ پردۂ نیلگوں گر کوئیَ ہے! (نعت)	149

شمار	سرلوح	صفحہ
106	سوکھے پتوں کا جغرافیہ رہ گیا	150
107	لقمۂ ابلہی چباتے ہوئے	151
108	جو مسیحا سرِ غالیچۂ بیمار گیا	153
109	گریزاں کیوں شجر سے ہو گئی تھی	155
110	حشر میں جبکہ وہ آئے ہوں گے	156
111	لبِ خیال کو جب لرزشِ بجا کھیے	157
112	ڈاکٹر عبدالقدیر خان (نظم)	158
113	جو صحنِ صبح میں بیٹھا جوان لڑکا تھا	160
114	فصیلِ شہر پہ جنباں یہ دھوم دھام ہے کیا؟	162
115	پیئے جامِ ادراک تشنہ لبی ہے (نعت)	163
116	دریغا! عہدِ دوراں کی ہوئی تکبیر الٹی ہے	164
117	وہ ریزہ ریزہ بکھر کر دھواں اڑاتا ہے	165
118	کبھی انتظامِ ہستی، کبھی انہدامِ ہستی	166
119	تکلف کا اشارا جھک گیا تھا	167
120	تکلف کا دریچہ کھل رہا تھا	168
121	شعر گوئی مگر فروعی ہے	169
122	وہ میرے سائے کی حرمت کو آزماتے ہوئے	170
123	ادب جزوِ لازم، اہم عاجزی ہے (نعت)	171
124	میرا انکار اک حقیقت ہے	172
125	ایک احساس، کہ جو اذنِ دعا دیتا ہے	173
126	نہ آئے تم (نظم)	175
127	سُونا پڑا ہے قریۂ دالانِ زندگی (نعت)	177

شمار	سرِلوح	صفحہ
128	دوچار ساعتوں سے گزارا نہیں رہا	178
129	اُٹھا کے ہاتھ دعائیں کسی کے نام کروں	179
130	کسی کے دھیان میں پنہاں ہے ارتباط کی روح	180
131	میلادنامہ (نعتیہ نظم)	181
132	اے لوحِ نقش! قولِ رَوا دستیاب ہو	183
133	نفس نفَس کی کشاکش کا یہ زمانہ ہے	184
134	اَنت اَبھاو (نظم)	185
135	شانِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (نظم)	187
136	مکیں ایسا، مکاں جس کا ورائے لامکاں دیکھا (نعت)	188
137	سوز کا ترجماں نہ ہو جائے	189
138	مرحلہ در مرحلہ اپنا زیاں بنتا گیا	190
139	بجا ہے، روح کا طائر اڑا دیا جائے	191
140	منافقت کو ملی جب سے رہبری کی سند	192
141	اجل ان سے گریزاں، مرنے کو جو پُر ارادہ ہیں	193
142	عداوتوں کی وہاں راہ و رسم عام ہے کیا؟	194
143	شانِ حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (نظم)	195
144	فنکار تہی دست ہیں توقیرِ ہنر سے	196
145	کبھی ہوں خضر، حیاتی کا رنگ لانے میں	197
146	کفِ صحرا پہ نقشہ رہ گیا ہے	198
147	غبارِ جسم یوں پھیلا ہوا ہے	199
148	اطیب و احسن، اجود و احکم، صلی اللہ علیہ وسلم (نعت)	200
149	امیرِ شہر کیوں بن کر شرار اس پر لپکتا ہے	201

شمار	سرِلوح	صفحہ
150	وبَاے تلخ مزاحم تھی میہماں کے لیے	202
151	سَت تہذیبوں کا اک قرض جو پُرکھوں نے پرورد کیا	203
152	خُدا کی چوری (نظم)	204
153	پیہم نفس نفس کا تسلسل پَسار کے	206
154	دریدہ دل ہیں جو پہروں جگر کھپاتے ہیں	208
155	بے رنگ موسموں کا حوالہ کہیں جسے	209
156	بارِ آشفتگی ہٹاتے ہیں	210
157	کیفِ ہستی خاک سے افشا کیا	211

چُن رہا ہوں شوقِ طیبہ میں برَس کی تیلیاں
ہاتھ آ جائیں، دعا ہے، دسترس کی تیلیاں
دستِ رحمت نے جو بخشا عافیت کا سائبان
بے ضرورت ہو گئیں چشمِ عسَس کی تیلیاں
رحمتِ بے دام بھی اک رنگ ہے لیکن وہ رنگ
چہرۂ اِجلال پر طاری عبَس کی تیلیاں
سر سے جو فیضانِ بخشش کا ہٹے سایہ، پناہ!
منہدم ہو جائیں بُرجِ بے اسَس کی تیلیاں
بارِ کلفت سے تاسُّف خیز تھا نفسِ جنوں!
خوبیِ غفراں نے کاٹیں پھر قفس کی تیلیاں
رحمۃ للّعالمینی ابر سے اُتری حیات
بجھ رہی تھیں پے بہ پے تارِ نفَس کی تیلیاں
نورِ ایمانِ رسالت نے یقیں پیدا کیا
حملہ زَن تھیں سر پہ ورنہ پیش و پَس کی تیلیاں
اک نگاہِ معرفت، اے خواندۂ پروردگار
علم زاروں سے ہویدا ہیں جرَس کی تیلیاں
مختصر ہے حرفتِ یک آرزو کی داستان
تا بہ شہرِ نور پہنچیں خار و خَس کی تیلیاں

صبحِ ازل، آمادۂ فطرت نے جب بسم اللہ کیا
لوحِ وجود کو تابشِ حرفِ محمد ﷺ سے آگاہ کیا
نور و شرر پیمانۂ کُن کی بساطِ غرض سے دُور تھے، تب
وقت نے بے اطراف رُتوں کو پیہم صَرفِ صلاہ کیا
شاخِ تردُّد کی مرطوب نمی کو تابِ یقیں دے کر
نخلِ سَراب کو سایۂ وہم سے آپ ﷺ نے مہرِ گیاہ کیا
دستِ ہُمایوں کی دیوار کا تکیہ ساز شعار رہا
لُطف نے پیدا مایۂ جنبش بھرِ پائے نگاہ کیا
بحرِ لطافت کی پوروں سے نکلا چشمۂ آبِ حیات
کوہِ سحاب نے شرم سے اپنا چہرہ جُثّہِ کاہ کیا
راندۂ ہر درگاہ نے پایا کس سے تشخصِ فرد کا راز
بدخواہی کی سرد تھکن کو آپ ﷺ ہی نے دل خواہ کیا

دم بَستہ ترے وصف میں ہر حلقۂ منطَق
لب بَند تری مدح میں ہر گوشۂ مِرفَق
آلودۂ اندوہ تھا تقدیر کا قضیہ!
سرمایۂ حرماں کو ملا صیغۂ طلّق
معمورۂ طَیبہ کی جُدائی کسے منظور؟
آغشتۂ بخوں ہے دلِ ہر لحظۂ فرَّق
تفسیرِ شمائل کے تکلف سے نکل کر
آ دیکھ عرَق یاب ذرا پیشۂ خندَق
زنگارِ تنفُّر کو مٹانا میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!
بدخاطری ہو دُور بیک غمزۂ فلّق
اک سوزنِ عیسیٰ ملے اے مژدۂ عیسیٰ!
ترویج کی موجوں پہ ہوا شیوۂ مَزَّق
دائمؔ کو ملا فہمِ فلک تاز کا جوہر
قبل از سخنِ نعت تھا افگندۂ اولَق

جھڑنے کی روش پھینکیں عصیانِ وضو خوردہ
کاندھے پہ جو آ بیٹھیں مستانِ سبو خوردہ
وحشت کی گراں یابی سر پیٹتی ہے پیہم
پوروں کے تعاقب میں دامانِ رفو خوردہ
اک کُن کے تلاطم کی زنجیر طرازی ہے
سر نامۂ ہستی کیا؟ پیمانِ برُو خوردہ
کیا لطفِ سزا واری، پندارِ ہنر کی خیر
صد طنز لیے ٹھہرا میدانِ عدو خوردہ
طفلانِ شجر سے کیوں امیدِ ہوا داری!
جب شاخ پہ لپکے ہوں دندانِ نمو خردہ
ہنگامِ شکایت کی تخریب ہوئی دشوار
اوقات پہ قابض ہیں ساسانِ بہُو خوردہ
شنوائی کے حاسے پر کچھ دھند کی دیری تھی
بے موت مرے دائمؔ افغان گلو خوردہ

گر پیشِ نظر عہدہ و زَر ہو کے رہے گا
برباد یہ سرمایۂ سَر ہو کے رہے گا
تکتی ہوئی آنکھوں کا دِیا دھند میں اٹکا
ہو ذوقِ تناظر تو سفر ہو کے رہے گا
چسپاں ہے نظارے پہ نگاہوں کا تسلسل
یہ تارِ نظر موئے کمر ہو کے رہے گا
دیپک میں جلا کر کے لہو بام پہ رکھو
گُذرے گی یہ شب نورِ سحر ہو کے رہے گا“
انساں کے ہیولے میں اگر ساکھ ہے باقی
لازم ہے محبت کا گزر ہو کے رہے گا
اشکوں کی نمی سینۂ دل پر اتر آئی
پامال یہ دو آبۂ تر ہو کے رہے گا
آوازۂ منصور پہ تعزیر نہ ہوں کیوں؟
یہ جرمِ دگر، بارِ دگر ہو کے رہے گا
دستک میں تواتر ہو تو امکاں ہے کہ دائمؔ
تا بابِ دلِ یار اثر ہو کے رہے گا

شبنم کی آنچ سے جو وہ سبزا ہرا نہ تھا
سو پشت تک بہار کا شجرہ ہرا نہ تھا
سوکھی ہوا ادھار کے پانی پہ بِک گئی
یعنی کہ میری چشم کا کنبہ ہرا نہ تھا
لپکے تھے شاخِ سبز پہ سو سو خزاں کے رنگ
سنتے ہیں نوبہار کا نقطہ ہرا نہ تھا
تعبیر آنکھ ڈال کے کب تک اُلارتی
نو خوابۂ نشاط کا نقشہ ہرا نہ تھا
رشتوں کی آبیار تھی آنکھوں میں گرم تاز
پھر بھی سرائے لطف کا دریا ہرا نہ تھا
پیاسی دلیل شورِ تموُّج کو اوڑھ کر
تشنہ رہی، کہ ابر کا دعوا ہرا نہ تھا
دل خونِ چھرگی کا تمنّائی ہو نہ کیوں!
پتھر نمائیوں میں وہ بُشرہ ہرا نہ تھا
مجنوں کو سازگار تھا دائمؔ لپے خرام
کہنے کو بے گیاہ تھا صحرا، ہرا نہ تھا

عریانیِ اشرار پہ چادر تو تنی ہے
دستورِ مروّت کی مگر بے نکھی ہے
کیوں کوئی خضر اس کو گرانے نہیں آتا
مدّت سے مرے جسم کی دیوار کھڑی ہے
معلوم ہوا ہے کہ بہ عُنوانِ تماشا
مخلوق زمیں پر کوئی آباد ہوئی ہے
سینے کی سلاخوں میں کوئی جھانک کے دیکھے!
اک منتظرِ اذنِ نَوا آہ پڑی ہے
تعبیر کریدوں تو نکلتے ہیں کئی خواب
زنبیل کوئی چشمِ تحیر میں دَبی ہے
پندارِ جنوں اب بھی ہے سرمایۂ وحشت
صحرائے بدن کیوں نہ تکلّف سے بَری ہو
جنباں ہے اسی نام سے ہر تارِ جنوں خیز!
وہ لوحِ تنفّس پہ بہ عُنوانِ جلی ہے
اندر کی خموشی کے تلاطم پہ نگہ رکھ!
آفاق کی دہلیز پہ کیوں آنکھ دھری ہے؟
دائمؔ رہِ الفت سے ہٹے گر تو ہو بے سُود
یہ شعرِ شرر بار میں اسلوبِ روی ہے

پوششِ چشم کاغذی میری
نالشی بھرِ زندگی میری
ذات کے پُر تضاد رستے میں
رہنما ہے خود آشتی میری
آس کی نابلیغ اشارت پر
اور پھیلی فسردگی میری
مٹ گئی عشق کی روایت سے
حسن آلود شاعری میری
آگہی باعثِ ملال نہ تھی
خوش نہیں آئی ابلہی میری
کوئی تجدید جستجوے بہار
خشک تر ہو گئی نمی میری
خَلق کر ساحلوں کے پہلو میں
ایک بے آب تشنگی میری
زندگی کا تلازمہ نہ بنا
سانس لیکن رواں رہی میری

چٹان

خمیرِ ارضی کے دوش پر ایک طُرۂ سر بلند ایسا
کہ جس کے قدموں میں خونِ فرہاد کی نمود افگنی کے جلوے بھٹک رہے ہیں
ایک ایسا پربَت
کہ پردۂ نیلگوں کی صدہا نوازشوں نے جسے عطا کی ہے خصلتِ سفلگی کی حدّت
ایک ایسا کُہسار
جس کے دامن میں ابنِ قاسم کے سینکڑوں تیغ زَن بہادر
جَسَد کے تختے دَبا گئے ہیں
جگر میں آتش فشانیوں سے مہیب کوندے لپک لپک کر نکلنا چاہیں
وفورِ ہیبت کے تازیانوں سے ڈر کے ناساختہ وہ خود کو اگلنا چاہیں

بھائی، کہ وفاؤں کا دِیا ہے مرے گھر میں
ہمشیر، کہ تمثیلِ صبا ہے مرے گھر میں
احساس کی ہجرت پہ ملال اس قدر امڈا
اب تو یہی اک شورِ درا ہے مرے گھر میں
دیوارِ نفَس پر جو اُڑے گھاؤ کے چھینٹے
کچھ تو چلو ہم رنگِ حنا ہے مرے گھر میں
اک کرب کی تعبیر دھواں بن کے پدھاری
یعنی کوئی مرغولہ نما ہے مرے گھر میں
میں راندۂ الزام، کوئی شاخِ عبث ہوں؟
دروازۂ پاریز کھُلا ہے مرے گھر میں
آئینہ بھی اُلٹا ہی دکھاتا ہے یہاں پر
تاویل کی ہر رسم جدا ہے مرے گھر میں
کچھ شورشِ ہنگام کا خدشہ نہیں دائم
اک دست، کہ مائل بہ دعا ہے مرے گھر میں

اس بیخِ نخل میں تھا جو شامل، اداس ہے
شاخِ ثمر کا اس لیے حاصل اداس ہے
پھر کربلائے عشق میں تازہ ہو اک خراج
قدموں کو ڈھونڈتی ہوئی منزل اداس ہے
موجوں میں اب رہی نہیں پہلی سی خودسری
دریا جو مضطرب ہے تو ساحل اداس ہے
نکلا نہ میرے کاسۂ سر سے غرورِ ذات
بعد از قتال شرم سے قاتل اداس ہے
کیوں رختِ انتظار کو کاندھے پہ لے رہوں
ذوقِ نظر سے آ! ترا بسمل اداس ہے
چابک عناں تھا غمزۂ آواز کا سوار
بابِ ذقن پہ اونگھتا اک تل اداس ہے
دائمؔ جنوں کی بخیہ دری کی روش ہے گنگ
صحرا بھی غم شعار ہے محمل اداس ہے

ایک بےنام کے نام اخترِ ابلق پہنچا
رقعۂ شاہ، کہ آلودہ بہ پَے تک پہنچا
سجدۂ عشق کا رکھتے ہی ترے در پہ خراج
ایسا لگتا ہے کہ حقدار تلک حق پہنچا
عدم آباد سے اک شوق اٹھا کر لایا
ہم تلک کُن کا جو آوازۂ برحق پہنچا
قدرتِ بادیہ پیمائی سے لرزاں خیزاں
نیا مجنوں رہِ آخر بہ دمِ فَق پہنچا
رسمِ سرقہ میں دبوچا تھا کسی نے اس کو
فصلِ بےرنگ میں یہ دل جو یہاں شَق پہنچا
کچھ غریبانِ بنی یاس کا اک غولِ حزیں
صبر کی آس لیے کوچۂ خندَق پہنچا
جبکہ موجود نہ تھے اب کے خریدار وہاں
حُسن کس مان سے بازار میں مطلَق پہنچا

تلاش!

وہ دھندلکوں میں
عذابِ ماضی کی کہر آلود ساعتوں میں
تخیلاتی قبا کی مستور سلوٹوں میں
وفورِ احساس کے نزاکت شعار لمحے
تمھاری قربت کے سب حوالے تلاشتے ہیں

قِصّہ چِھڑا جو دشت میں ہم خُردَگان کا
چَپنا تھا در گُلوئے سَرابِ الاَمان کا
اِک پَے بہ پَے شعارِ بلندی سے کُود کر
پِھیکا پڑا ہے رنگ نئے آسمان کا
جَلنے کی آرزو میں کَسَل مند ہیں تمام
کچھ لاعلاج سا ہے مرَض اس تَکان کا
کل رات ایک چاند سِسَکتا، پِگھل گیا
بے سُرت تھا مُدام گرُو مُوبدان کا
ترتیبِ کائنات پہ اِک زِیرکانہ طنز!
افسانۂ غلَط تھا مرے مُوپسان کا
بَگھّی کے چار گام جو سَستا کے رُک گئے
پاؤں پھنسا ہے راہ میں کیا ساربان کا؟
نو رِہ‌زنانِ خُلد بھی جَبراً ہیں گام‌زن
دائمؔ بِدکنا دیکھ صِراطُ الجِنان کا

تقدیر کی یورش نے پچھاڑا سرِ بازار
تدبیر کے حیلوں کو اکھاڑا سرِ بازار
خیرات اٹھانے کوئَی لپکا نہ مری سمت
دامانِ نکوئَی کو جو جھاڑا سرِ بازار
خوابیدہ نہیں ثروتِ وحشت سے مرا عشق
دیوانگی میں جوش سے دھاڑا سرِ بازار
اس شہر سے سرسبز روایات مٹانے
سجتا ہے یہاں روز اَکھاڑا سرِ بازار
دائمؔ تھا اثاثہ مرا اک عمرِ طبیعی
پھر آہ! مجھے اس نے جو تاڑا سرِ بازار

تجدید اختراع کے ہر امتحاں کے ساتھ
برسوں رہا ہوں مرحلۂ کن فکاں کے ساتھ
حرفت یہی رہی کہ میں لکھتا تھا روز و شَب
سنگیں کہانیاں مژۂ خوں چکاں کے ساتھ
ہوگی نہ خاک اب کے سمندر کے دوش پر
کُودا ہوں خود کو باندھ کے سنگِ گَراں کے ساتھ
تہذیبِ شعر حائلِ دو مملکت نہیں
نسبت ہے میرے فَن کو ہندوستاں کے ساتھ
بگڑے اگر بہار تو ناچار آدمی
رسمِ مفاہمت کو نبھائے خزاں کے ساتھ
در در پہ پھوڑنا سرِ سودا کا، چہ سبب؟
لازم ہے سر فگندگی اک آستاں کے ساتھ
سجدہ بھی مسکنت سے ادا ہم نہ کر سکے
اپنی انا شریک رہی آسماں کے ساتھ

....

کیوں کر کسی سے خُلد کی راہیں بجھائیے!
رشتہ جڑا ہو خاک کا جب آسماں کے ساتھ
آہِ شرر شعار کی طُرفہ تباہیاں!
”آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغاں کے ساتھ“
اشکوں کی جلترنگ میں نقشے سما گئے
ملتا ہے رنگِ سوز غمِ بے زباں کے ساتھ
کیوں کر فشارِ زیست کے سب مرحلے کٹیں!
پھرتی ہے ننگِ مرگ حیاتی زیاں کے ساتھ

آنکھ کے اندر عکس تراشا جس میں منظر تین
حیرت، رنگ، تصور باہم، یعنی لشکر تین
حرفِ سوال کا منشا کس پہلو میں مخفی ہے؟
دنیا، برزخ، حشر سراسر برپا محشر تین
شاخِ تبسم پر رقصاں تھے کالی دھوپ کے سائے
نیلی بوند کی کرنیں لائیں آنکھ سے نشتر تین
نیند کی لوری تالی مارتی، ہنستی، دور رہی
کروٹ کروٹ چھلیتے گزری خمار کے بستر تین
زائچہ گھول کے نیست بنانے کا کچھ قصہ ہے
سر پر میرے عَنقا کھول کے بیٹھا دفتر تین
ہر دن ایک سوال کا سامنا، یارو میں نکلا
بھاری بھاری راتیں کاٹیں گور کے اندر تین

نطق نے چھیڑی رنگ کی گرمی تابشِ حرف کا حال نہ پوچھ
کیفِ تمنا کی ہر آہٹ سے دل کا جنجال نہ پوچھ
خال و خطِ انفاس کی لہریں بجھ کر شعلہ ہوتی گئیں
فرشِ طراوت پر تکوین سے الجھا عرفِ خیال نہ پوچھ
شورِ علامت لفظ کی کوکھ سے اٹھ کر طوفاں بار ہوا
تشبیہوں کی بھیڑ نگل کر، صوت کے ماہ و سال نہ پوچھ
جامۂ خاک سے لپٹی انگیارے کی کرنیں خشک نہ کر
سوزِ عنایت بھیس بدل کر نکلا، اس کا تال نہ پوچھ
ثروتِ صحن سے اڑ کر شیوۂ جان بھلا کیا کر پاتا؟
روکشِ صَد آفاق ہوا سے راز نہ جان، سوال نہ پوچھ

موجۂ ریگِ رواں کی ہے عناں گیر صبا
سُوئے گل‌زار چلی از رہِ تسخیر صبا
ہم پئے لطفِ بہاراں جو چمن گیر ہوئے
ہر گلِ بستہ کے سینے پہ تھا تحریر صبا
میرے آوازۂ اقبال پہ حیراں کیوں ہو؟
شمعِ شہرت کی مری کرتی ہے توقیر صبا
سرمۂ چشمِ غزالاں کی قدم بوسی کو
عازمِ دشت ہوئی صورتِ زنجیر صبا
میں نہیں داد طلب اپنے ہنر کا دائم
میرے افکار کی کرتی تو ہے تشہیر صبا

میں اپنا لہجہ بتاؤں گا اب نواؤں کو
شبِ فراق کے اندھے حرم سراؤں کو
مرے چراغ نے ان کی نمی جلا ڈالی
پتا چلا نہ کبھی سرپھری ہواؤں کو
قلم لیے مری تقدیر لکھنے بیٹھے ہیں
کسی نے وہم میں ڈالا ہے ان خداؤں کو
کہو، کہ راہ سِدھائیں درِ اجابت سے
ان اضطراب بھری بے مزہ دعاؤں کو
فضا میں گھومتے رہنا تو کوئی کار نہیں
ہماری خاک اڑاؤ، بھرو خلاؤں کو
سر اپنا پھوڑ کے واپس چلو، سماعت سے
سکھا دیا ہے کسی نے یہ فَن صداؤں کو
میں دیکھتا ہی رہا آشتی کے پروانے
لپک کے چومتے دائم غرض کے پاؤں کو

گریزاں کیوں شجر سے ہو گئی تھی
شعاعِ مہر پر کائی جمی تھی؟
رواں تھے سیل چشمی کے جریدے
لبوں پر تشنہ کامی ڈولتی تھی
غلط ہے دسترس سے دور رہنا
مرا قضیہ مری خود پھرگی تھی
میانِ دیدہ و لب چھرگی کے
کھلے اسرار کی بے رَہ روی تھی
نئی تہذیب نے دفنا ہی ڈالا
ابھی غیرت ہماری اَدھ مری تھی
بہت کی کاوشِ تعبیر خیزی
تہِ چشمِ غنودہ کوندتی تھی
حریم دل میں اک حسرت کی مُورت
پئے ہم خواہشوں کو نوچتی تھی
قبولے کیوں اسے خود دار دائم
نظر میری سوالاً ہی اٹھی تھی!

عبث مت جان اسے جو سلسلہ صدیوں سے جنباں ہے
بپا ہے محفلِ ہستی، جو سازِ کن پہ رقصاں ہے
نگاہِ عارفاں سے بجلیاں گردوں کی خائف ہیں
خرامِ عاشقاں سے دشت بھی رشکِ گلِستاں ہے
دبک جاتی ہیں شمشیریں حصارِ دستِ قاتل میں
جنھیں مرنے کا سودا ہو، اجل اُن کی نگہباں ہے
جسے آسودگی مطلوب، ساحل سے بھی گھبرائے
وہ کھیلے تندخُو موجوں سے جو طوفاں بداماں ہے
یہی کُچھ سوچ کر دائمؔ ہوا ہوں دار پر فائز
نہیں طوقِ قضا، بلکہ خمِ گیسوئے جاناں ہے

کارگزاری

ایک تصویر مری چشمِ دروں کے اندر

کئی اسطور جہاں دورِ خلا سے پہلے
چند ساعات کی دریوزہ گری کرتے تھے
خواب آلودۂ فطرت سے شرف پا پا کر
کسی موہوم خسارے کا شگن دھرتے تھے
انھی اسطور کے ابھرے ہوئے بھیتر مجھ سے
آخری قضیے کی پاداش کا دکھ کہتے ہوئے
تنگ آواز کی کمزور شکن میں جا کر
راکھ سے ملتی کوئی شَے سی اٹھا لائے ہیں
خاک معروف علامت کا ہنر پہنے ہوئے
گرم پانی کے بھبھوکوں میں گھلی جاتی ہے
کالا دھاگا مری گردن پہ بنا کر باہنیں
تازہ ٹہنی کے شگوفوں کا دِیا کاٹتا ہے

....

استعاروں کی نمی اوڑھ کے جلتے گھر میں
صرفِ اظہار کے کچھ رنگ دَبک بیٹھے تھے
لٹھ اٹھائے ہوئے تہذیب کے قاتل دیکھو!
اک بری آتما اندر سے جگا لائے ہیں
سرد آغوش میں لے کر کئی پندار کدے
کس نے تہذیب کے ماتھے پہ رگڑ تھوپی تھی
لوہُو ٹھنڈا لیے موسم سے جھگڑتے ہوئے لوگ
میرے اسطور کے خانے میں پڑے تھے، یعنی؟

یعنی ہم تھے جو رہے طوقِ فسوں کے اندر

پیشِ نظر بُت کے سرودِ کشتنی بےلاگ الاپ
آخیر میں تاوان دے، یعنی تپکتی آگ الاپ
حرفت زدہ الفاظ کی کاواک بھیتر مت ٹٹول!
معنیٰ بھری جیون اوستھا کا کوئی بجراگ الاپ
جلتی چتا کی آتما ہلکورتے بھی دیکھ لے!
بوچھار اڑتی گھاؤ کی رخصت ہوئی، اب تیاگ الاپ
من بھاونے اطوار کا جوشاں سمندر نوش کر
سردابۂ دل سے نکستی بھابھ لے، اور جھاگ الاپ
خنیا گروں کا پنتھ ہے، سوگند دیپک تان کی
دائمؔ رواجی سانگ چھوڑ، اک اجنبی سا راگ الاپ

سوالِ حسن کی جنبش سے آب ہو جاؤں
متاعِ عشق کا زندہ جواب ہو جاؤں
تو سلوٹوں کے تعاقُب میں مجھ تلک پہنچے
ترے شمار میں یوں بے حساب ہو جاؤں
کتابِ ذات کا ہر راز مجھ پہ کھل جائے
طلوعِ فہم کا وہ اکتساب ہو جاؤں
فنا پذیریِٔ مردم پہ ماتمی نہ بنوں
حیات خانے کا رندِ خراب ہو جاؤں
خیالِ شے کی سبھی دستکیں سمٹ جائیں
”میں تیرے واسطے وہ انتخاب ہو جاؤں“
دَبی ہوئی ہے جبیں میں شکستِ ذات کی سِل
سطورِ خاک کی عریاں کتاب ہو جاؤں
افق پہ ہجر کی ٹھنڈی بغاوتیں اُتریں
خدا کرے دائمؔ میں ماہتاب ہو جاؤں

پریم اَوَستھا

اے طرازندۂ تنگ نائے غزل!
اے نگارندۂ نامۂ انبساط!
اے نوازندۂ زخمۂ دام ودَد!

یاد ہے!
سرزمینِ لطافت کے شُستہ دوائر میں جنباں
نَفَس در نفس
تخمِ عُزلت کے کچھ سلسلے تھے
زیرِ کشور نہفتہ تھی
اک آبِ نَے
جس میں سرجوش بادہ سرکتا رہا
اس کی حدت سے
شاخِ نمو پر رواں
آتشیں کشتیوں کا دھواں

....

اور
مرغولہ دار آفروزہ لپکتا رہا

میں دخانی تلاطم کی
اک مدھ بھری لہر کا
آخری حاشیہ ہی بچا تھا
مرے ساتھ اڑتے پکھیرو
فضاؤں کے گہرے غلافوں میں
دبکے ہوئے تھے
جنھیں آسماں کے لبھاؤ میں
کھنچتی ہوئی
اک طبیعت کی پرچک نے سہلا دیا تھا
مگر میری نوبت کا ہر سلسلہ
اپنے مُورکھ سبھاؤ میں
اک بے عیاں چھرگی کا سوالی بنا تھا

اس سفر میں

....

نراشا کی اک پوٹلی زادِرَہ تھی
قدم اپنی دھیمی روش پر رواں تھے
نفَس بہرِ آنند
کچھ ڈھونڈتا تھا
اسی رہ گذر کے کنارے کنارے
سنہرے قراطیس کا اک نشاں تھا
میان اس کے
اک آبنائے محبت کے
شفّاف ڈورے
مرے دل کی ہر اضطرابی تپک کا پتا دے رہے تھے
گزرتے سمے!
سات رنگی دھنک، ہر لپک، آج تک، بے دھڑک
اس مہایاترا کا پُراسرار سرنامہ
تازہ کیے
دعوتِ غیر معتاد کی اہتمامی بنی ہے

ہاں! مجھے یاد ہے

....

جبکہ مجہولیت کی روش کا
ہر اک تازیانہ
مرے جسمِ لرزاں پہ
معدومیت کا اُبھرواں، بنفشی اثر چھوڑتا تھا......
تری ماورائی قدومت نے آکر
سبھی گھاؤ بھرنے
حریری تسلی کی راحت فزا
تھپکیوں سے
خلش ہائے پیہم کے لرزیدہ پارے
ابَلنے سے پہلے ہی ٹھنڈے کیے ہیں

جذبۂ شوق کا رازِ سربستہ
مخفی رہا دیر تک
اک انوٹھے سماچار کے آخری پھیر تک
آخرش!
سرّ مکتوم کی گرہیں کھلنے لگیں
راز افشا ہوا

....

یعنی اچھا ہوا
طُورِ اخلاص کی چوٹیوں پر کھڑا
لَن ترانی کی لذت سے محظوظ ہوتا رہا
تخمِ الفت سرِ کشتِ بیتاب بوتا رہا
ہم نے پانی دیا
ایک پودا اُگا
ٹہنیاں تازہ لہکار سے
بے خودی میں ٹہلتی رہیں
طفلِ نوخاستہ سانس لیتا ہوا نوجوانی کی دہلیز تک آ گیا
ہم خس و خار کی چالِ شہگام سے
صاف بچتے رہے، جب الجھتے رہے
یوں محبت کی رکھشا میں
خود ٹہنیوں کی رگوں میں اترتے رہے

نو بہ نو پھیلتے اس گھنا گھن شجر زار میں
اک ہمارا نہالِ مخلَّد
رسیدہ، متین اور شہ زور، راسخ، مصمم، اٹل، پائیدار

....

رشتۂ جان میں منسلک دم کا دھاگا
وہی آب جادہ ہے
جس میں مچلتے ہوئے جذبہ ہائے محبت کے سب سلسلے ہیں
سبک ولولے ہیں
ہاں!
کبھی پر بہارِ محبت کی اس سرزمیں میں
ذرا قحطِ اخلاص کا شائبہ تک جو آئے
تو اس احتمالی گراوٹ کی منشا پر
حلفاً یہ کہتا ہوں
مرجائیں گے ہم
بکھر جائیں گے!!

بھول بھٹک میں کھوج لگاوے یعنی اُس غم کیش کی آنکھ
اَنت اَبھوگی آنکھ نریش کی شاید ہو بے خویش کی آنکھ
اک برجوگ ہنیرا جھاٹا گانٹھ کے پاوَک پھُنکارے
مور کے پنکھ میں پدماسَن کی جھلمل کرتی ویش کی آنکھ
گپت معمّا، بھید کی چشمک اَنت اجاگر ہو جاوے
دید کرے مافوق الفطرت کی ہے اک درویش کی آنکھ
کروٹ کروٹ رتیا جاگوں، پھر بھی گربھ نِچھور جنے
ساحل باندھ کے ندیا آگے بیٹھ چکی اندیش کی آنکھ
لوہو اگلتی گھاتِک کی مُورت کے سبھاؤ چُنتی ہوئی
سخت نراشا، کیا ڈھونڈے گی بادامی دل رَیش کی آنکھ
ہونٹ کی تختی شَبد سجائے پریم کے، گہری لَنکا جوں
یکسر ہر جنگاہ لُنڈھائے دائمؔ دھرم اُپدیش کی آنکھ

میرے زوال کی جو چلی ہے خبر، غلط
تفصیل سے گریز، وہ المختصر غلط
میں مثلِ رختِ ہستیِ شش رُو کے دوش پر
تابِ جہاں کا رنگ پریدہ، گُزر غلط
اس خود نگر کے سامنے بیچارگی عبث!
مطلب کہ دامِ سوزِ درونِ جگر غَلَط
صیدِ بریدہ جوششِ رم خوردگی ہوں میں
"شورِ فُغاں سے جُنبشِ دیوار و دَر غَلَط"
میرا عروج نقطۂ موہوم و نقشِ محض!
تیرے بیاں میں ذکرِ ہبوط و ضرر غلط
اصنام کی عبادتِ بیجا پہ وار دیں
تُو نے ریاضتیں، اے مرے شیشہ گر! غلط
آزردگی کمال تھی پیشِ وداع، لیک
جوشِ جنوں دروغ، تو مژگانِ تر غلط
دائم ہے کارِ حاشیہ آرائی سے گریز!
یعنی دروغ بندیِ سر سربسر غلط

گر مَنَم صَیدِ رختِ زَر، چہ عجب!
ظرفِ خس در پئے شرر، چہ عَجب!
اے کہ طاؤسِ باغِ رعنائیؔ!
تجھ کو کافر کہوں اگر، چہ عجب!
ٹوٹ جائے جو دلکشی کا غرور
یعنی پندارِ شیشہ گر، چہ عجب
آبروئے زبانِ اردو ہوں
نام وَر میرا ہو ہنر، چہ عجب!
سقفِ شش طاق سے گزر جائے
آہِ آتش عناں اگر، چہ عجب!
ذوقِ عرفانِ ذات کی لذت
سوئے دل گر کرے سفر، چہ عجب!
جذبِ شوقِ جُنوں نگاری سے
کر رہی ہے خرد حذر، چہ عجب!
میں سزاوارِ جرمِ حسرت تھا
دائم اس کا ملا ثَمر، چہ عجب!

تعمیرِ دلِ زار کرو، موسمِ گل ہے
تدفینِ عزا دار کرو، موسمِ گل ہے
شبنم سے وضو کر کے بہ فریادِ سحر گاہ
اک سجدۂ بیدار کرو، موسمِ گل ہے
دامانِ نظارہ میں بہ فتراکِ تماشا
”خوشبو کو گرفتار کرو، موسمِ گل ہے“
سر مستیِ جذبات سے آشفتہ رہو اور!
رسوائیِ پندار کرو، موسمِ گل ہے
سامانِ طرب بھی ہے، فضائیں بھی موافق
آ جاؤ، گنہگار کرو، موسمِ گل ہے

سرشت میں نہیں جس کی غبارِ آئندہ
مدام ہوگا جگر سوگوارِ آئندہ
خیالِ ماند کی مانند عشق کا مفہوم
نشاطِ کارِ ہوس انحصارِ آئندہ
طراوتِ لبِ سوفار کا ہوا احساس
چلی خریف کی بادِ بہارِ آئندہ
فسانہ زیست کا عریاں ہوا تو یہ سمجھا
عبث ہے گردشِ لیل و نہارِ آئندہ
تہی ہے ظرفِ نظر رہگزارِ جلوہ سے
نگاہِ شوق نہیں خواستگارِ آئندہ
وہ جس کی فکرِ خجسہ خصال زندہ ہو
نہ دوشِ عہدِ کہَن پر وہ بارِ آئندہ
جہانِ خانۂ کام و ہوا سے بے رغبت
وہی تو ہوگا مکینِ خمارِ آئندہ
مئےَ زُلال کی ہم مجلسیِ لب، چہ عجب!
پسِ خمار ہے دائم! قرارِ آئندہ

یہ زمیں کا رختِ کہن زدہ جو سرِ حصارِ مآل ہے ؛ پامال ہے
شررِ فسوں کی ادھیڑ عمر تپک کا گہرا اُبال ہے ؛ بے حال ہے
کئی بے سراغ رفاقتوں کا مری حیات کے روز و شب؛ یوں بے سبب
بہ سبیلِ دعویِ رشتگی، جینا برنگِ ملال ہے ؛ یہ کمال ہے
نفَسِ وجود میں کھولتی ہوئی لغزشوں سے کنار کر ؛ اقرار کر!
یہ عیاں جو فطرتِ آدمی کا وبا رسیدہ وبال ہے ؛ جنجال ہے
دلبستگی ہی سہی مگر، پئے انتشار وہ سلسلہ ؛ جو رواں ہوا
رہِ نیستی کا سفر جولاں گہِ مہ و سال ہے ؛ تا حال ہے
بےچہرگی کا ورائے وضع کا المیہ جو سمجھ سکو ؛ مرے ہمدمو!
پسِ درد دیدہ غمِ حیات جو تابِ خندہ مقال ہے ؛ کوئی جال ہے!
نہ شعور شرحِ حضور ہے، نہ وجود کی کوئی انتہا ؛ فقط ابتدا
دائم جوازِ حیات کیا؟ کسی اجنبی کا سوال ہے ؛ اشکال ہے

مرے خواب شار کے عکس تھے جو ڈھلے ہیں جاں سے پرے پرے
نہیں اشک گاہ میں کچھ جنوں کہ اٹھے زیاں سے پرے پرے
سرِ کار زارِ انا وہی رہا سایۂ نفَسی میں گم
ہوا زندگاں میں وہ معتبر جو تھا مردگاں سے پرے پرے
وہ خیال زار میں کُھل نہ جائیں جنھیں سراب نے ایڑ دی
رہِ زیست کا یہی المیہ ہے، رہو گماں سے پرے پرے
نہیں نوحہ خوانیِ مجلسی پہ مدارِ کیف و کمِ رثا
غمِ سرمدی کا حصار ہے، غمِ رائگاں سے پرے پرے
جو نہالِ جاں سے قریب ہے تو وہ شاخِ بُعد پہ کیوں مصر؟
کوئی آسماں سے ورے ورے کوئی لامکاں سے پرے پرے
یہ خسِ وجود کی خستگی کو گواہ کرنے کا شور کیا؟
پئے شَعلگی شررِ لطیف اڑا کہاں سے پرے پرے
اسی زائچے کی بساط پر کئی گل رُخاں ہوئے دل بکف
جو سُنی حکایتِ زر فشاں لبِ ناطقاں سے پرے پرے
یہ شعاعِ ہجر کا ماجرا تہِ دام لے نہ سکا مجھے
میں قطارِ صبر کا سلسلہ، صفِ عاشقاں سے پرے پرے
وہی سبز پائی قبیل کا کوئی فردِ شوم ہے بالقیں
جو مدارِ ماتمِ شاہؑ میں بھی رہے فغاں سے پرے پرے

گرے پتّوں پہ نوحہ کر رہا ہے
پرندہ شاخ سے لپٹا ہوا ہے
ستائش بے وجہ ہی چاہتا ہے
مرا فَن خود سے دھوکا کھا رہا ہے
ہتھیلی پر سرِ عزمت دھرا ہے
طریقِ خوں بہا رخصت نما ہے
ذرا ہنگامِ رفتہ کو کریدوں
مرے ماضی کے ملبے میں دَبا ہے
ترستے ہیں کواڑ اس گھر کے پیہم
مری دستک کو دیمک کھا گیا ہے
فریبِ ہمرہاں سے آشنا ہوں
عیاں مجھ پر ہر اک مکر و رِیا ہے
نہیں رکھتے وہ لفظوں کی ضرورت
اشارہ جن کا پیہم بولتا ہے
تعطّل، تلخ روئی اور کدورت
کسی پت جھڑ کی رنگت جابجا ہے

....

جہاں کے رنگ ہیں اس کی بدولت
وجودِ حسن کیفیّت بھرا ہے
تکلم سے بَری، خاموش پیکر
نگاہوں سے بہر دم بولتا ہے
میں اپنے آپ سے ہوں محوِ پیکار
مقابل میں کہ دیوارِ اَنا ہے
مرے اشعار ہیں کتبے سروں کے
مرے نزدیک عالَم مر گیا ہے
لبِ دریا پہ ٹوٹی جوششِ لہر
عبث ساحل کا دائمؔ سامنا ہے

اک مُوئے اعتبار رہا بے خبر یہاں
وہ زلفِ سرفراز ہوئی خوب سَر یہاں
یہ شیوہَ صلاح نہیں ہے کہ روز روز
اترے چلیں سپہر سے پیغام بر یہاں
نسیاں زدہ وہ خوابِ مسلسل کا اضطراب
ہوگا نواحِ چشم میں پیہم بسر یہاں؟
آزادگی نژاد پرندوں کو کیا خبر!
اُڑتا ہے جذبِ شوق بھی بے بال و پر یہاں
مرہونِ انتظارِ بہ یک لحظگی رہی
اور طے ہوئی ہے عمر، عبث عمر بھر یہاں
نوحوں کی سرخیوں سے وہ غائب کیے گئے
تا عمر تھے جو نالہ سرا در بدر یہاں
احساس میں گھلا ہے مرے اس شجر کا دکھ
کہلائے، دے کے سایہ بھی جو "بے ثمر" یہاں

....

آئینِ اختلاف کی سنجیدگی قبول!
حرفِ جدید کیوں ہوا نامعتبر یہاں؟
لازم ہوا کہ جادۂ حیرت میں کفر ہے
اک مارنا پلک تو، دو گامِ دگر یہاں
اک کائنات اور بنے، کچھ عجب نہیں!
دائمؔ نظر کو کار ہے یہ مختصر یہاں

بخشش کی وہ نگہ جو پڑی دو گھڑی کے بعد
حرمان کی دھڑی، کہ جھڑی دو گھڑی کے بعد
اک نسخۂ درود نفَس میں رواں کیا
سینے میں پھر نہ سانس اَڑی دو گھڑی کے بعد
اُس مطلعِ ضیا نے اُڑائی بہ رنگِ نور
تاریکیوں کی شام کڑی، دو گھڑی کے بعد
خامہ بدست ہونے میں پرچک بنا خیال
ملتی گئی کڑی سے کڑی دو گھڑی کے بعد
گمنامیوں کے کھر میں لپٹا تھا قبلِ نعت
شہرت ملی، ملی تو بڑی، دو گھڑی کے بعد
کیا اہتمامِ شان ہے ہر لحظہ صد عروج
ہر دم سپاہِ قدر کھڑی دو گھڑی کے بعد
دائمؔ شعارِ نعت میں لازم ہے احترام!
اشکوں کی بہتی جائے لڑی دو گھڑی کے بعد

بامِ طلعت کی فنا فام بہارو! جاؤ
رنگِ حرماں کو جبینوں پہ سہارو، جاؤ
ہمیں اذعانِ حوادث میں لپٹتا چھوڑو
گوشۂ صحنِ تلطف کو پکارو، جاؤ
گرمیِ رنگ کی ہر لہر مبارک ہو ہمیں
چشمِ بےدید کا احسان اتارو، جاؤ
شعلۂ ذات لپک بھول کے سو جائے گا
تم بھی، اے حرمتِ ہنگام کے مارو! جاؤ
جوئے آوارہ کو جز عکس گزاری کیا ہے؟
عبث انداز نہ بہہ جاؤ ستارو! جاؤ
ساعتِ حال رہے صورتِ تسبیح بکف
دستِ اوقات کو بس سر سے گزارو، جاؤ
زندہ رہنے کی بناوٹ میں کوئی فتح نہیں
نفس آمادہ کیے جان سے ہارو، جاؤ

معرکہ

(فرنگ زدہ واعظ سے...ابتدائیہ مع گفتگو)

صدا یہ گونجی کسی دن فضا کے آنگن میں
ہر ایک لفظ لیے تھا شرار دامن میں
کسی فرنگ زدہ کی زبان تھی شاید
جسے تھا خوب ہی زعمِ خود آگہی شاید
رُوئے سخن تھا بسوئے حرم نشیں اس کا
حقیقتیں تھیں بجا اور کچھ مگر بے جا
لہو میں میرے وہ سن کر اک ارتعاش ہوا
صنم یقیں کا مرے دل میں پاش پاش ہوا
نہ شور و غوغا سے کانوں میں انگلیاں ڈالو!
وہ لفظ کیا تھے، سنو تم بھی اے چمن والو!
“کہاں ہے مسلمِ دوراں ! تری مسلمانی؟
اماں سے عاری ہے تن اور لباس ایمانی!
شرابِ نابِ تعیش سے لب ترے معذور
فقط نگاہ میں جنّت، جہان سے مستور

....

تہی ہے دستِ خرد کیوں متاعِ نو سے ترا؟
رموزِ رفعتِ دنیا سے آشنا نہ ہوا
لغت، مسائل و تاریخ، فلسفہ، احکام
سوائے ان کے ہے جدّت ترے لیے دشنام
یہ دین و مذہب و ملّا، حیا، زکات، نماز
صنم کدے کے ہیں ساماں، ہے اور تو بت ساز
سوائے قیدِ مسلسل نہیں ہے کچھ یہ حجاب
بھلا ہے پردے میں کیوں کر چھپا گناہ و ثواب؟
زمیں پہ ناک رگڑنے سے کیا ملے گا تجھے؟
نظر اٹھا، کہ بہر جا خدا ملے گا تجھے
تعصُّبات کی میلی رداؤں میں ملبوس
زِ مہر و الفتِ یاراں پرے ترا طاؤس
غبارِ تنگ روی کی کدورتوں سے اٹا
ہے تیغِ تیز برائے جہاں عمامہ ترا
سمٹ کے بیٹھ تو پائے سَمک سے، اور دنیا
ورائے کشورِ بالا ہوئی نمود آرا

....

(واعظ کی جوابی تقریر)

سنا جو حضرتِ واعظ نے قصۂ دلچسپ
لگایا جھوم کے اک اس پہ نعرۂ دلچسپ
طنابیں ضبطِ مسلسل سے پھر اکھڑنے لگیں
سریرِ طنزِ مکرّر کی گرہیں کھلنے لگیں
جنون و غصہ تھے پا در رِکاب کی صورت
ہوئی زبان کو جُنبش، جواب کی صورت :
ستم رسیدۂ مضرابِ غرب تیرا ساز
نکل گیا جو تو خود سے، عبث تری پرواز
تو سجدہ ریزِ درِ اہلِ زر ہوا بے دام
نقوشِ عہدِ عتیق اب ترے لیے اوہام
لہو ہے تیرا فرنگی تو تَن فرنگ زدہ
نظر میں تیری ہے مذہب بڑا طلسم کدہ
ردائیں کھینچ کے بہنوں کی، ماؤں کی تم نے
انھی سے اپنی ہوس پر ہے چھاؤں کی تم نے
جبیں پہ تم نے جو کھینچا ہوا ہے قشقہ سا
لہو تمدن و تہذیب کا ہے جلوہ نما

....

ستم سے تیری سسکتی ہیں وادیاں ساری
جفا سے تیری لرزتی ہیں بستیاں ساری
رہینِ شکوۂ مذہب زبان ہے تیری
عبث نگاہ میں تیری یہ دینیات سبھی
ضمیر چیخ کے کہتا ہے ، اب کرو بس بھی!
خدائی تم سے نہ ہو پائے گی، کہ ہو ”خاکی“

(ہاتفِ غیبی کی آواز)

زمیں کراہ رہی تھی، فلک تھا آزُردہ
فضائے دیر و حرم بھی تھی کچھ کچھ افسردہ
جبال چشمِ تحیُّر تھے وا کیے اُس وقت
عجب تھا معرکہ، جس کے تھے سلسلے اُس وقت
ندا یہ ہاتفِ غیبی سے آئی پھر اس دم:
بپا ہے کیسا یہ غوغائے من و تُو باہم؟
رگِ فرنگ کو نشتر زبانِ واعظ ہے
ہدف فرنگ زدہ کا نشانِ واعظ ہے

....

نِکات فہم کے قابل یہ ہیں، ذرا سمجھو!
خدائے کون و مکاں ہے فقط خدا، سمجھو!
مئے تعیُّشِ دنیا فقط نظر کا سراب
”بہشتِ مغربیاں ، جلوہ ہائے پا بہ رکاب“
تصوراتِ کہن ہیں اگر رقابت خیز!
شرابِ عہدِ نوی بھی تو ہے عداوت خیز!
جفا کی تیغ سے خالی نہیں کسی کے ہاتھ
ستم ہے باندھی تمھاری، پھرے تمھارے ساتھ
شریکِ زمرۂ دامن کشِ مسلماں ہو
دخیلِ حلقۂ بزمِ ستم پرستاں ہو
فرنگی ہو یا حجازی، برا ہو یا ہو نیک
ردائیں کھینچنے والا نہیں ہے کوئی ایک
تعصُّبات سے دیر و حرم پراگندہ
خُوئے نفاق سے فطرت تمھاری پیوستہ
زمیں پہ ناک رگڑنے سے ہی ملے گا تمھیں
شعورِ بندگی، وجدان بھی ملے گا تمھیں

....

رہا اگر کوئی ملّت سے اپنی بیگانہ
تو پھر حیات کا باقی نہ اس کی، پیمانہ
دل و نظر کا حجاب اب اتار دو دونوں
ادائے حسن سے خود کو نکھار دو دونوں
ہر ایک ذرّہ ہے حسنِ خدائی کا پرتَو
نگہ اٹھا کے کوئی ”اَینمَا تُوَلُّو“ ہو!
کبھی شریعتِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو!
نوا وہ کیسی ہے جس میں کہ سوز و ساز نہ ہو؟
شرارِ رزم سے دامن بچاؤ اب آخر
گدازِ قلب سے نفرت مٹاؤ اب آخر
جنونِ عشق کی ثروت سے لیس ہو جاؤ!
جہانِ خواہشِ لیلیٰ کے قیس ہو جاؤ!

اک لمس سے آگے

کسی نیم شب کے سنہرے اندھیرے میں
اک نازک اندام احساس
قرطاسِ تَن پر تموُّج سے پُر کیف رونق سجائے
مرے خانۂ دل میں ہے یوں خراماں

وہ پُر لُطف منظر!
کہ روح وجَسَد میں کمالِ توصُّل تھا
حدت کی لذت سے ہم آشنا تھے
لبِ کُوزۂ قَند سے آبِ حیواں کے صدہا خزینے چُنے جارہے تھے
حنا بستہ انگشتِ پیچاں کا وہ لمسِ دلکش
جبیں عکسِ صبح فزا تھی
اور اس پر وہ شبنم کا تھا بوسۂ شور افشاں
عیاں سینۂ جلوہ گاہِ نزاکت پہ تھے قبۂ نور کے دو نظارے
سہیلِ یمن وہ ذقن

....

گوشِ برگِ سَمَن

خالِ عنبر فشاں، سلکِ الماس دنداں
تبسّم، تکلُّم، ترنُّم کی یک طرفہ شوخی
اِدھر تھا یہ عشقِ جنوں خیز و سیماب
گُل رنگ و حسرت پسند و جگر تاب و شوریدہ سر
اور اُدھر حسنِ ایماں فریب و مسیحا صِفت

عشقِ شعلہ نُما

قُفلِ زندانِ زریں سے دست و گریباں رہا دیر تک
شمعِ تابندہ پر تھا نثار ایک پروانہ
اپنے وجودِ گراں سے خلاصی کی چاہت لیے دامنِ التجا میں
گھڑی دو گھڑی میں
وہ ساعت قرینِ رگِ انتظار آ گئی
جس کی لذت کا احساس ادراک سے ماورا ہے
معاً دشتِ جاں سے وہ لاوا اُبل آیا
اور یوں
سفینہ سمندر میں ہچکولے کھاتا ہوا ساحلِ تن سے آخر جدا ہو گیا

تو سمجھ رہا ہے مجھے دھواں، تری خیر ہو
میں گھٹا ہوں، راہ سے ہٹ میاں! تری خیر ہو
تری بربطیں ہوئیں بے اَماں، تری خیر ہو
اے ترنگِ سوزِ نوائے جاں! تری خیر ہو
میں قدم قدم پہ حماقتوں کا شکار ہوں
مرے ہم سفر، مرے مہرباں! تری خیر ہو
رہِ مدعا سے حروفِ لب ہیں گریز پا
کسی وہم نے کہا درمیاں، تری خیر ہو
کسی جنبشِ لبِ کاہ سے، ذرا آ کے سُن!
مری خلوتوں کی کہانیاں، تری خیر ہو!
شب و روز کی یہ نزاکتیں، ہیں کیا بھلا؟
اے سرودِ زخمۂ لامکاں، تری خیر ہو
کہ مدارِ نظم و ضبط تجھ پہ محیط ہے
”تو بچا ہے گھر میں بڑا، میاں! تری خیر ہو“

گناہِ عجز سے آلودہ کام ہے شاید
وہ آئے سامنے جو نیک نام ہے شاید
تواتراتِ حوادث کا سلسلہ کیا ہے؟
نئےَ مکاں کا کوئیَ اہتمام ہے شاید
یہ برہمی سا تکلف برائے ربطِ عبث
جوارِ اُنس کا یہ اختتام ہے شاید
یہ کون سجدۂ فرصت میں ڈھے گیا، جبکہ
بہ پیشِ کار ضروری قیام ہے شاید
تکلمِ لبِ شاعر کو معجزہ کہیے
دمِ مسیح علیہ السلام ہے شاید
مفاہمت کے تعاقب میں قضیۂ رنجش!
اسی کا نام "الد الخصام" ہے شاید
ظہورِ تازہ کے اس پے بہ پے تسلسل میں
تعینات کی وحدت حرام ہے شاید

....

وہ سر جو نوکِ سناں سے ڈھلک گیا آخر
تبسمانہ ادا کا سلام ہے شاید
نیازِ شوق پہ کیسی یہ پھرگی، یا حیف!
یہ بُت کدہ نہیں، بیت الحرام ہے شاید
کہیں یہ وضع شناسان دیکھ کر حُلیہ
یہی وہ "دائمِ بے ننگ و نام" ہے شاید

رنگ سے انگ کا تال ملا تھا، سمت نے پہیہ توڑ دیا
کنکر کے دو کونے رگڑ کر اس پر موتی جوڑ دیا
چوک کے چاروں طرف کے دھارے سرخ نگر تک جا پہنچے
وقت نے صلح کی آڑ میں کن کن بے پَیروں کو موڑ دیا
اس نے سراب کے چہرے پر کس وحشت کی تحریر پڑھی؟
شاخ تراش نے بائیں ہاتھ سے صحرا کو بھنبھوڑ دیا
بے مصرف انگیارے کا مشغول حواس کو دیکھنا تھا
راکھ کے سب پیوند اٹھا کر بخیہ وہاں سے دوڑ دیا
کالی ہوا نے کان میں اس کے آ کر بھولی پھونک بھری
سو سو رستے راہ پڑے تھے ناداں نے سر پھوڑ دیا
دیواروں کی خستہ لیپ اگل کر کتنے راز، گری
شاید سناٹوں کی کرخت ہنسی نے سب جھنجھوڑ دیا
رِستا گھاؤ جبیں پہ چمک کر درد کی حرفت بانٹتا تھا
اَدھ بھر جلتی بلتی چاپ نے تازہ رنج نچوڑ دیا

....

بادل کے دو رنگ ٹھٹھرتے خلا میں جھولا بھول گئے
زعم نے سچی سانس بھری، وسواس کا کنگن توڑ دیا
تین موڑ ہی آئے راہ میں اس نے ترک عداوت کی
ایک علاقہ اُنس کا دبکا، جس نے رخت کروڑ دیا
اندر سے آواز کی اک جھنکار مسلسل بجتی رہی
کیا کرتا دکھیارا، اس نے میل کا سینگ مروڑ دیا

بے چہرگی نے اصل تماشا دِکھا دیا
زعمِ وجود کس نے سو ایسے مِٹا دیا؟
بے مدعا ہیں کاسۂ فطرت کی سب جہات
ہر حرفِ احتیاج کو یکسر اڑا دیا
ہر چند رمزِ عشق پہ پہرا دیا، مگر
”بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا“
آشفتگی کے بھیس میں مجھ کو ملا ہے عشق
دل بھی دیا مجھے تو دلِ مبتلا دیا
زعمِ خودی نے پاس رکھا تشنگی کا یوں
جامِ ستم بہ شیوۂ پیہم پلا دیا
جاں دادۂ گزارشِ احوالِ جاں نہیں
سر بھرِ عشق یوں سرٍ کرب و بلا دیا
ہر حرفِ آرزو نے مری زندگی سے قبل
ارمان بیچ کر مجھے زندہ جلا دیا

عشق کی روایت میں قاعدے نہیں رکھنا
درمیان بندش کے شائبے نہیں رکھنا
رازِ دل ہے اصلیّت، رنگ سب تماشا ہیں
چہرگی کے بولوں پر واہمے نہیں رکھنا
عالمِ ستائش میں آسماں تلک جانا
سامنے کبھی لیکن آئینے نہیں رکھنا
سرد مہر چہروں کی تختیاں یہ کہتی ہیں :
حسن کی نگارش میں حاشیے نہیں رکھنا
خطّ مستقیم اس کے راستوں کی منزل ہے
"روشنی کے پہلو میں زاویے نہیں رکھنا"
راستے اگر چاہے مختلف بھی ہوں لیکن
رابطوں کی کڑیوں میں فاصلے نہیں رکھنا
دائمؔ اپنا فَن ترچھے زاویوں کا کنبہ ہے
کرتبی حوالوں میں لاحقے نہیں رکھنا

پاکستان؛ نعمت خدا کی

جنباں ہوا تخلیق کا منشا، سو نرالا
ابھرا کہیں زیبندۂ فطرت کا حوالا
تصویرِ وطن کھینچ کے اذہان پہ اترا
فردوسِ تخیل پہ امڈتا ہوا نالا
اقبال کے تہِ خانۂ اظہار میں آ کر
چھم چھم کے برسنے لگا ادراک کا پالا
پھر نکہتِ انفاس کی پروردہ ہوا نے
گل پارۂ احساسِ وطن سینچ نکالا
ہم پاک وطن کہتے ہیں اس حالِ چمن کو
بارانِ تلطف بنی تختی کا اجالا
دیوارِ وطن خونِ شہیداں سے سنہری
استھی سے بزرگوں کی یہ لیپا گیا ڈالا
پُرکھوں کی ہتھیلی پہ کھڑی قامتِ بنیاد
ماؤں کے مجسمے بنے مٹی کا نوالا

....

ہر گل کدۂ ارضِ وطن سرخ نہ ہو کیوں؟
تخمِ دلِ ہستی میں چھپی ایک غزالا
ایمان کی فطرت کا تقدس ہوا قائم
تدبیر کے رقعوں نے اسے خوب سنبھالا
جاری رہا دو آبۂ خوشبو کا تسلسل
بخشش کی اداؤں نے نہ انسان کو ٹالا
ایمان فروشی کی ہر اک رسم مٹاؤ
زندانِ عداوت پہ رہے دائمی تالا
مت سمجھو اسے محض اراضی، تہِ دولاب
ہاں! دَیرِ کہن زال کے قدمین کا چھالا
اے صیغۂ تخلیق کے خالق! یہ دعا ہے
رکھشا کے لیے پختہ رہے غار کا جالا
اس گنبدِ فیروزہ کی پہنائی پہ شاہد
انسان کی عظمت کا پھریرا ہو دوبالا

خواب جزیروں پر آنکھوں کے عکس بنا کر چھوڑ دیئے
منظر کی میزان پہ کس نے ٹوٹے پتھر چھوڑ دیئے
خشک فضا کی چھاتی پر آکاش کے کنکر چھوڑ دیئے
پیاس کا ظرف نبھایا ہم نے، سات سمندر چھوڑ دیئے
ایک صحیفہ بہ صیغۂ فطرت بام سے اترا، یاد نہیں
چند ابواب سبھی نے اُٹھا کر، کیونکر آخر چھوڑ دیئے؟
اندیشوں کی سطریں جن راہوں کا حاشیہ بھُولی تھیں
گام گام کی قسمیں لِیں، وہ رستے یکسر چھوڑ دیئے
حیرت نے انفاس کی بیلیں توڑ کے اک دیوار بنی
روشنیوں کے خوف میں اندازوں نے منبر چھوڑ دیئے
دستک کا احسان دبا تھا دروازے کے سینے میں
آندھی نے ان ہاتھوں کے سب چن کر پیکر چھوڑ دیئے

آ کر میں یہاں دُور تلک دیکھ رہا ہوں
از سطحِ زمیں پاے سمک دیکھ رہا ہوں
کچھ مردمِ گل گوں ہیں تہِ خاک منوّر
دھرتی پہ مگر اُن کی چمک دیکھ رہا ہوں
یہ بانگِ درا ہے کسی خلجان کی تمہید
میں عزلتِ ابدی کی جھلک دیکھ رہا ہوں
اک دل ہے مگر اس میں تمناؤں کے لشکر
خاشاک پہ شعلوں کی لپک دیکھ رہا ہوں
دی کس نے مرے توسنِ افکار کو مہمیز؟
خود کو جو یہاں تا بہ فلک دیکھ رہا ہوں
ہے آدمِ خاکی کی بلندی کا کرشمہ
سب ناصیہ فرسا ہیں ملک، دیکھ رہا ہوں
افکار کی دنیا کا مسافر ہوں میں دائم
بے رنگ فضاؤں میں دھنک دیکھ رہا ہوں

طاری عروسِ قلب پہ وجدانِ نعت ہے
پیشِ نظر جو نغمۂ حسّانِ نعت ہے
لفظوں کی عکس بندیاں ملحوظ ہوں، مگر
لازم پسِ خیال بھی عرفانِ نعت ہے
نقشِ جمالِ شوخیِ آیات کیا کہوں!
ہر نوکِ حرف لشکرِ مژگانِ نعت ہے
تکوینِ کائنات کا ہر لحظۂ وجود
عنبر سرشت لولوِ بارانِ نعت ہے
اقلیمِ نُہ سپہر کے آشفتہ خاطرو!
فرحت نواز غنچۂ بستانِ نعت ہے
نکہت فشانیِ گلِ رَیحان و نسترن
خوشبوئے حرفِ راز بہ عُنوانِ نعت ہے
مخدومِ طائرانِ اولی الاَجنحہ، حضور
عرشِ فراخ صفحۂ دیوانِ نعت ہے
دائمؔ فروغِ نعت کی نیرنگیاں نہ پوچھ!
”ہر شعبۂ حیات میں امکانِ نعت ہے“

وہ رخِ روشن مصلائے سجودِ صبح ہے
بلکہ وہ پیکر تو برہانِ نمودِ صبح ہے
میں جو پائے ارتقا کا ہوں ترے زینہ تو کیا!
قاتلِ صد انجمِ تاباں وجودِ صبح ہے
تھپکیاں دیتا ہوا وہ گوشِ ہر ذی جان پر
نیرِ اعظم کا ہرکارہ سرودِ صبح ہے
ہے نہاں تخریب کے پہلو میں کچھ تعمیر بھی
دوشِ شب پر پردۂ چرخِ کبودِ صبح ہے
ہر نفَس ہے زیرِ بارِ منّتِ بادِ نسیم
ہر گلِ خنداں، کہ مرہونِ کشودِ صبح ہے
تیرگیِ کنجِ زندانِ اسیری سے نہ ڈر!
ہو گیا آغازِ ہنگامِ خلودِ صبح ہے
ہے مقدر ہر عروجِ دارِ فانی کا، زوال
لوحِ ہستی پر رقم دائم نبودِ صبح ہے

گماں کے دشت میں جِدّت سے تلملائے یقیں
خیال و خواب کی جنبش سے لڑکھڑائے یقیں
سرورِ فہم جُدا ہے، الگ ہے عکسِ خیال
سرابِ ظن سے پنپتے ہیں برگ ہائے یقیں
کھڑا ہوں ملبۂ میّت پہ اپنے یوں، گویا
لبِ قنوط کو امیدِ بادہ ہائے یقیں
ضیائیں نیرِ اعظم سے چھین سکتے ہیں
اگر ستاروں کے دامن میں ہو بہائے یقیں
غرورِ فن کی جو بکھری ہیں کرچیاں دائمؔ
مآلِ شوقِ نمائی ہے یا خطائے یقیں

حسنِ عالم کے ظاہر دقائق ہوئے
لہلہاتے عیاں جو حدائق ہوئے
میں خودی کے جو ساگر میں اُترا کبھی
منکشف ہست کے سب حقائق ہوئے
خَلق کو ننگ و ناموسِ وحدت سے ہم
آشنا کر کے ننگِ خلائق ہوئے
رابطوں کی کڑی اور پختہ ہوئی
ہم جو مائل بہ ترکِ علائق ہوئے
راہیِ منزلِ عزم و ہمت ہیں ہم
شائبوں پر یقیں کے نہ شائق ہوئے
ہے فسوں کاریِ ظرفِ دائمؔ یہ سب
ہم گِرے جب کبھی، اور فائق ہوئے

برمَلا اُلفت کا یوں اظہار ہونا چاہیے
تا بَہ جاں پھر اُس پہ استمرار ہونا چاہیے
جس کے عارض پر دَمَکتا ہو غریبوں کا لہو
ایسا حاکم تا فرازِ دار ہونا چاہیے
ہم رکابِ رخشِ ہستی! تا کُجا یہ غفلتیں؟
آدمی خُفتہ نہ ہو، بیدار ہونا چاہیے
عیب گوئَی جس زباں کا ہو شِعارِ مستقل
اس کے سینے پر کوئَی انگار ہونا چاہیے
روح کے ساگر میں اُترے، کشورِ جاں کا ملک
کوئَی ایسا قافلہ سالار ہونا چاہیے
عہدِ جاری میں بھی جس کی فکر مُحکم ہی رہی
اُس عزیمت دار کو اوتار ہونا چاہیے
خواہشِ آسودگی ہے عزم و ہمت کا زیاں
روح و تَن کو خوگرِ آزار ہونا چاہیے
باعثِ عبرت ہے دائمؔ غلغلہ ہائے جہاں
اعتقادِ ”یا اُلِی الاَبصَار“ ہونا چاہیے

اَن دیکھے رجحان کے بھیس میں کیسا نیا بازار لیا!
چند سَروں کو چھوڑ، سبھی نے اپنا قضیہ سُدھار لیا
فطرتِ فرد کی عیّاری ہنگامِ تناظر کیوں نہ ہنسے!
حشر کی آڑ میں مَہ پاروں نے عرصۂ خود آثار لیا
اَوندھی پڑی تھیں خشک جزیروں میں تعبیر کی آوازیں
خواب سرا کے سایوں نے جب آنکھ کا عکس اُدھار لیا
موجِ تردُّد کی یورش نے ساحل پر کچھ بیج دھرے
کچی دھوپ کے کارندوں نے کیا کیا عزمِ فرار لیا
قسمت کے مشکیزے سے کچھ بوندیں سر پہ ٹپکتی رہیں
سو اقرار نکل آ دھمکے، ہم نے اٹھا انکار لیا
میل کے بنجر صحرا میں آئینے حیرت زاد رہے
دائمؔ حسرتِ چشم نے پیہم بڑھ کر لطفِ کنار لیا

لطفِ ایثار کے شیدائی قریں ہوتے ہیں
شمع جلتی ہے تو پروانے وہیں ہوتے ہیں
دشتِ امید میں رہتے ہیں ہمیشہ زندہ
”آہ! وہ لوگ ،جو مجبورِ یقیں ہوتے ہیں“
خوابِ حسرت کے جزیروں میں یہ بھٹکے ہوئے لوگ
نظر آتے ہیں کہیں، اور کہیں ہوتے ہیں
حشر زادوں سے کہو جرأتِ اظہار کریں
حرفِ امید پہ کیوں چیں بہ جبیں ہوتے ہیں؟
ایک ہم ہیں کہ تماشوں سے سراسر محروم
جلوے ہر روز مگر بام نشیں ہوتے ہیں

خیالِ سرد جو لفظوں میں ڈَھل کے نکلا ہے
بکھرتے عکس کے لُقمے نِگل کے نکلا ہے
غرورِ ذات سے مملو تفاخرانہ سُخَن
خود اپنا دامنِ عصمت مَسَل کے نکلا ہے
ردائے ہست پہ نقشِ مکینِ ملکِ عَدَم
سرودِ کُن فَیَکُوں پر سَنَبھل کے نکلا ہے
برائے دادِ ہُنَر شہر کی طوائف کی
جبیں سے بادۂ شبنم اُبَل کے نکلا ہے
مرے حروف سے قرطاس جَل گیا، یعنی
نوائے شوق کا لاوا پگھل کے نکلا ہے
روا نہ تھا کبھی نکلے گا روح کا طائر
تنِ ضعیف سے دائم بہَل کے نکلا ہے

اقدار کی خوشبو سے جو محرومِ بھی ہو
”اس گھر کے مقدر میں تباہی نہ لکھی ہو“
کب اشہبِ خامہ کی رکی شعلہ ادائی
قرطاسِ عزیمت کی لگاوٹ نہ تھمی ہو
طاؤسِ جنوں شورِ تعقّل پہ نہ ٹھہرے
گر رقص گہِ عشق میں آذان ہوئی ہو
پابستگی بے وجہ، عبث رسمِ سلاسل
وحشت میں کسی دشت پہ آزادہ روی ہو
آزار نصیبی کو مرے شوقِ روا کہہ
اب درد بھی کہتا ہے کہ ”تعزیر نئی ہو“
موزوں نہیں اس شہر میں تقریبِ تعیّش
جلتے ہوئے جسموں کی جہاں راکھ پڑی ہو
گونجا ہے کبھی حسن کی توقیر کا نعرہ؟
خاموش جزیروں میں کبھی شام ڈھلی ہو؟

....

باقی ہے ابھی جیب میں حرفت کی کمائی
لازم نہیں یہ آنکھ سوالاً ہی اٹھی ہو
تعبیر کے ملبے سے اٹھے خواب پرانے
ممکن ہے کسی خواب کی تعبیر گری ہو
مصروفِ تمنا ہوں، دعا ترکِ تمنا
امکان یہی ہے کہ اجابت کی گھڑی ہو

گرگِ باراں دیدہ

خلائے ہفت پیکر کی شَرَر افشا نیوں میں
ہے نشستِ ضعف پر رونق فزا اک جسمِ نازائیَ
خمیدہ دوش، چشمِ نیم بینا
دستِ لرزاں
خاک کا پیکر، بریدہ تَن، چکیدہ لب
سرِ شوریدہ میں لیکن!
دماغِ نکتہ پرور، عقلِ کامل، طبعِ معنیٰ آفریں
یعنی!
بلاغت جنبشِ مژگاں سے جنباں ہے
عروقِ تَن میں لاوا ہے رواں حسنِ تدبُّر کا
تفحص کا، تفکُّر کا
عیاں لوحِ جبیں پر نورِ عرفاں کے سنہرے، نقرئی دھارے چمکتے ہیں
کفِ دستِ نگاریں پر جو شکنیں ہیں
لکیریں ہیں!

....

حقیقت میں یہ شاخیں ہیں علومِ معرفت کی
اور فنونِ شوقِ پُرفن کی

نگاہِ نواجواناں میں فقط فرتوت وہ ٹھہرا
سرابِ دشت ٹھہرا
اور فنا کا اک نشاں ٹھہرا
مگر سمجھو!
وہ نقشِ خامشی تو گرگِ باراں دیدہ ہے اصلاً
سریر آراء ہے تختِ خودشناسی پر
دلِ شفّاف پر عکسِ رُخِ تابندہ روشن ہے
وہ عکسِ رُو کہ ہے زیبندۂ تاج جہانگیری

مگر افسوس!
جب مر جائے گا وہ پیکرِ لعلیں
زمانہ نوحہ گر ہو گا
فقط اک دن، چلو دو دن
مگر پھر طاقِ نسیاں کے حوالے اس کی سب باتیں

....

سبھی یادیں ہوئی جائیں گی

تربت سے اسی کی
اک سرودِ عشوہ زا چنگھاڑ اٹھے گا
کہے گا :
ملبۂ خاکی سے زخمہ ہائے دل کی
بانگِ تازہ جو فضا میں
گونج اٹھی ہے
کہ رختِ بے گماں ضائع نہ ہو جائے

نہ ایسا ہو!
کوئی جاں بخش لحظہ حیطۂ منظر سے کترائے
سحابِ ظلمتِ زیریں سے ہم آغوش لمحہ
کہہ رہا ہے
قدرِ گلشن گُل سمجھتا ہے
زمیں پر سبزۂ نورستہ کی وارفتگی شاہد!
کوئی اب مسکنِ مستور سے مفرور ہو تو کیوں؟
خیالِ خام کے جنجال سے مسحور ہو تو کیوں؟

....

بتاؤ تو!
کہ میری لوحِ تربت پر جفائے مرگ کے قصے گڑے کیوں ہیں
مری دانست میں گرداں حقیقت ہے
کہ مرگِ ناگہاں بے مہریِ احباب سے بہتر!
جہانِ گور بلکہ قاقم و سنجاب سے بہتر!

خسِ خستہ جان سا بھی اگر کوئی درمیاں ہو تو لے کے آ
کہ شہودِ ہم نسبِ وجود کی داستاں ہو تو لے کے آ
نہیں داد خواہی سے کچھ غرض، کہ پتنگ چاہے تبِ شرر
سرِ مضطرب کہیں مارنے کوئی شمع داں ہو تو لے کے آ
جسے رسمِ معنیٰ کا پاس ہو، جو ثمر رسیدۂ آس ہو
بہ طریقِ عہدۂ شاعری کوئی ہم‌زباں ہو تو لے کے آ
غمِ یم نظیر کی تشنگی لبِ آب‌جُو سے لپٹ گئی
نہیں آب‌ناک کی چاہ، چشمۂ خوں فشاں ہو تو لے کے آ
یہ خلا کہ شعلگی پے بہ پے، یہ فضا کہ حجلۂ زمہریر
تہِ سائبانِ کہن زدہ نیا آسماں ہو تو لے کے آ
قفسِ فسونِ مکان میں، نفسِ وجود اٹک گیا
رہِ دم شکن سے گریز کر، جا، لامکاں ہو تو لے کے آ
سرِ شاخِ ساعتِ حال پر کسی پیش وقت کے نام کا
کوئی تازہ فکر ثمر کدہ پئے زندگاں ہو تو لے کے آ

....

گلِ سرخ کی نہ عبارتیں، شبِ تار کی نہ حکایتیں
نہ صبا سموم کی حاجتیں، دلِ بے سماں ہو تو لے کے آ
قلمِ بدیع رقم نے یوں تو لکھی ہے چاہتوں کی بیاض
دلِ پُرحذر کے لیے نوشتۂ سرگراں ہو تو لے کے آ
دلِ کم نظر کا حلیف ہو، حدِ آرزو کا امین ہو
ضررِ یقیں کے اُبال سے بہتر گماں ہو تو لے کے آ
نہیں کارِ دانشِ گرگ یہ، کسی طفلِ نو کی مجال کیا؟
سخنِ متین کی آشنا سختِ جواں ہو تو لے کے آ

بزمِ عالم میں جو خمیازۂ رعنائی ہے
”ایک محبوب کی بے ساختہ انگڑائی ہے“
پیرِ فرتوت جو اس عہد کا نازائی ہے
کیا عجب؟ سرد مگر شعلۂ برنائی ہے
پیکرِ مسلمِ دوراں اگر آبائی ہے
دل مگر رفتۂِ اندازِ کلیسائی ہے
یہ جو اک لہر مرے پاؤں سے ٹکرائی ہے
موجِ طوفاں کی یہی معرکہ آرائی ہے؟
ذوقِ جلوت کے تلذذ سے کنارہ کش ہوں
میری خلوت میں عجب لذّتِ یکتائی ہے
خاکِ انسان سے ہے گرمیِ بزمِ امکاں
رونقِ دشت یہی لالۂ صحرائی ہے
بحرِ الفت کا تعمق ہے ورائے اِدراک
ایک اک قطرے میں دریا کی سی گہرائی ہے

………

خود پسندی کا فُسوں ہے کہ تہوُّر کا طلسم؟
ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ خود آرائی ہے
جگرِ تفتہ مرا مائلِ آزار ہے پھر
یہ بھی اک وضع بہ آئینِ شکیبائی ہے
ہم فقیروں کی نظر میں ہے یہ دُنیا کیا چیز!
خالِ کمتر سے بھی کوتاہ یہ پہنائی ہے
بر سرِ طُور نہیں خواہشِ "اَرِنیْ" میری
پربتِ دل پہ تپاں شعلۂ سینائی ہے
محوِ نظّارہ ہیں انجم شبِ ظلمات میں کیوں
کوئی ہنگامہ تہِ گنبدِ مینائی ہے؟
دل سے اگتا ہے، پنپتا ہے خِرد خانے میں
ایک اک لفظ کہ منّت کشِ گویائی ہے
وہ نہیں لائقِ تسخیرِ عناصر دائمؔ
دل جو محرومِ تقاضائے خود افزائی ہے

دوشاخہ شجرۂ نسب

کسے پتا تھا!
نفس کی زنبیل کے چھریرے سُروں میں گھُلنے
تمام چہروں کی دوگنی آنکھیں
ہوس زدہ آرزو کا لشکر سنبھالے
سر سے اتر رہی ہیں
ہوا کی تعبیر ڈھونڈنے کے بہانے
پیہم بکھر رہی ہیں

یہ شش ہزاری قبیل کے چند ٹھیکرے
آنت کا نیا عکس دھار کر
آہ!!
شاخسارِ انا کے سیمیں بدن سے اترے
کھنکتے سکّے
غرض کی دنداں نما سرنگوں میں ڈال دیں گے

....

کرید کر دشتِ سینہ
آوارگی کی حسرت نکال دیں گے
لہو کی مہنگی لکیر کے تازیانے
دیوار پر تحاریر چھوڑ دیں گے
سکوتِ موہوم کی شکستہ دراڑ بولے گی
اور شاید
نوشتہ آواز بن کے کانوں کے کند پہیوں کو چھیل دے گا
وبا کی حرفت شعار آمد نے
بوڑھے طوطوں کے نرخ پڑھ کر
ہوائی مکتوب پھاڑنے ہیں

کسے پتا تھا!
کہ جذبۂ عشق بازی گاہوں میں شعبدے کا لباس ہوگا
وفا کی دلکش پناہ کے کاغذی محلوں نے
آبِ دریا میں ڈوبنا ہے
گُلوں کے چہروں پہ کاسہ لیسی کا عکس ہوگا
شعاعِ ہنگام نیتِ بَد کی شال اوڑھے

………

زماں کی چوکھٹ پہ سر دھرے گی
تبسمی التفات زادوں کی لوحِ رُخ پر
بیاں کی رنگت سیاہ ہوگی
نیازناموں کے چوطرف سرخ حاشیوں کی سپاہ ہوگی

بساطِ ادراک کی رگوں میں اتر کے دیکھا
جواب آیا :
سرِ اَلستِ وجود جب
آسمانی دیوان میں فرشتوں نے
اک خلش کا سراغ پایا،
تو مطلعِ اکتشاف پر اس کا پاٹ رکھا
اشارۂ غَیب کی لپک پر
وہ محضرِ داد
انفعالی اصول کا ایک شرم خانہ سا بن گیا تھا
مگر فرشتوں کا خدشۂ برملا سراسر غَلط نہیں تھا
نتیجہ؟

....

شہرِ گنہ کی تعمیر کا کوئی شجرۂ نسب ہے، مگر دو شاخہ!
کہ شاخِ اول خدا اکیلا
تو شاخِ ثانی خدا اور انساں!!
کسے پتا تھا!!

میں اپنی ہستی کے رُوبرو ہوں
ورائے دنیائے رنگ و بُو ہوں
میں پانیوں میں بھی ہوں، نہیں بھی
کہ عکسِ سروِ کنارِ جُو ہوں
میں ایک سازِ سرودِ رفتہ
ربابِ فردا کی آبرو ہوں
شکستِ پائے ہُنر ہو کیوں کر
میں اپنے ہی فن کا عیب جُو ہوں
میں حسنِ تقویم کا نمونہ
ریاضِ ہستی کی بھی نمو ہوں
سنائی دوں گا بہ گوشِ احساس
درونِ خاطر کی گفتگو ہوں
سخن طرازی ہے مجھ سے دائمؔ
زبانِ اردو کی آبرو ہوں

وحشت کا اک مقتل گرم مسلسل شام و پگاہ کیا
روز کلینڈر کے اوراق نے جامہ سرخ و سیاہ کیا
وقت کی کاشیں کاٹنے کی مزدوری کی جو صحرا میں
زرد شعاع نے ریت کے ہرکاروں کو ہفت نگاہ کیا
چہرہ خلا کے آتش دان میں گھُل کر پانی ہوتا گیا
خوف کی اُترن پہنتے رہنا جب سے ماہ بہ ماہ کیا
سینہ بھینچ کے پاس کمائی خون سرا ہنگام تلے
آس کے اُڑتے پکھیرو دیکھتے رہنا ہی تن خواہ کیا
قدموں کی پیکار تواتر سے اک سمت پہ رقصاں تھی
سائے کے بڑھتے گھیرے بھوت نے آ کر پھر گم راہ کیا
خواب کا آنچل آنکھ کی گاڑھی آنچ سے خائف رہتا ہے
صبح کی اجلی ہوا نے جس کو شاید صرفِ گناہ کیا
بےمصرف اوقات کی شِہ پر کترانے کا ہنر سیکھا
شاخِ نسب نے ہر پتے پر خوشۂ عار نباہ کیا

میں معاویہ!

میں معاویہ!
میں ستم رسیدۂ ہمرہاں
میں قتیلِ شجرۂ منکراں
میں شہیدِ مقتلِ زندگاں

میں معاویہ!
کہ میں رازدارِ حبیبؐ تھا
میں دبیرِ وحیِ لبیب تھا
میں رسولِ حقؐ کے قریب تھا
مگر آہ! بھول کے طَاق پر
مرے طرزِ عشق کوٹانک کر
کئی ہمرہاں بھی ہوئے اُدھر
مجھے چھوڑکر

ترے کارخانۂ ہست میں

....

مجھے سو طرح سے گنا گیا
کبھی نفرتوں کی بنا کے سیج
مرے نام پر جو کیا گیا
کبھی چاہتوں کی بہار میں
مجھے اوجِ تام دیا گیا

مرے مالکا!
ترے بندۂ نَفَسی رکاب کو
سو طرح سے گنا گیا
یہ کیا گیا

میں مؤرخوں کی بساط پر
کوئی مہرہ بن کے چلا کیا
کبھی شَہ کے خانۂ خلد میں
مجھے تخت پر کیا سر فراز
کبھی میرا نام وزیر ہے
کبھی میرا نام مشیر ہے
کبھی پیادہ کر کے سراب پر

………

مجھے زرد دھوپ کی ریت پر
کئی ساعتوں کی مچان پر
مجھے ننگے پاؤں گھما گھما کے تھکا دیا
مرے نوحے سُن لے مرے خدا
ترے نیک بندوں کی خلد میں
مجھے خوب تنگ کیا گیا

میں اِنھی قدم کی رکاب سے
گیا روم تک
کبھی شام تک
کبھی ریگ زارِ طرابلس پہ
لہو کے آبلے پھوڑتا ہوا
شام تا طرطوس تک
انطاکیہ سے خطۂ شمشاط تک
شمشاط سے تا شہریارِ عموریہ
کبھی شاخ قبرصِ زیست پر
مرے نقشِ پا کی بناوٹیں

....

سر خاک دانِ حیات پر
کسی قدر دانِ معاویہ کے جگر میں ٹھنڈ کا نام تھی
مری دھڑکنیں یوں عام تھیں

مرا ہاتھ دستِ حسن رہا
کبھی خندہ ہائے سخن رہا
مگر اب
مرے ہی حواریوں نے
قبائے سرخ کی میان سے
اک دشمنی کی تیغ کو
مرے سر کے سائے سے تول کر
سرِ رہ گزارِ تباہ میں
لٹکا دیا

مرے مالکا!
مجھے عزتوں کی بساط پر
یہاں پھر سے اوج شرَف ملے

....

مجھے نطقِ رازِ آلہ سے
جو عطا ہوا تھا ہدایتوں کا وہ پیرہن
اسے بددِلوں نے جلانے کی روشوں کو عام کیا رہا
مرے خالقا!
اسے پھر سے سب کے قلوب کی
آلائشوں کو ڈھانپنے کی دلیل کر
جو محبتوں کے امین ہیں
انھیں عظمتوں میں دخیل کر
ورنہ جہاں میں کسی طرح
وہی تازہ قصۂ فِیل کر
یہ سبیل کر

بے پیے ہی خمار سا کچھ ہے
ایک بےصرفہ بار سا کچھ ہے
خود کو سب سے جدا سمجھتا ہوں
آئنے سے فرار سا کچھ ہے
رِہ گلزارِ وجود کچھ بھی نہیں
عدم آغشتۂ غبار سا کچھ ہے
آدمیت کو کرکے منہا، دیکھ!
آدمی اشتہار سا کچھ ہے
گردِ مِہتاب ناچتے تارے
گویا گردن پہ ہار سا کچھ ہے
ذہن مَدفن ہے مُردہ سوچوں کا
دوش پر اک مزار سا کچھ ہے
بےیقینی لیے یہ تارِ نظر
جادۂ انتظار سا کچھ ہے
وعدہ شکنی کا ہے یقین ولے
پھر بھی کیوں اعتبار سا کچھ ہے!

سوچ کے زاویے منتشر ہو گئے
پھر سبھی قاعدے منتشر ہو گئے
زیرِ پائے جنوں بحر پایاب تھا
عقل کے شائبے منتشر ہو گئے
تلخ لہجے کا ردِّ عمل دیکھیے!
ضبط کے دائرے منتشر ہو گئے
تھا کبھی خُود سے میرا تعلق بڑا
لیکن اب رابطے منتشر ہو گئے
جونہی گھیرا مُجھے موجِ گرداب نے
جو بھی تھے آسرے منتشر ہو گئے
پیشِ جولانیِ طبعِ عشقِ رسا
حسن کے ضابطے منتشر ہو گئے
تھا مجھے زعمِ الفت مگر جلد ہی
میرے سب واہمے منتشر ہو گئے
میں سخن سنج دائمؔ ہُوا جو کبھی
لفظ گُم، قافیے منتشر ہو گئے

ساعتِ امکاں ڈوبی، ہوئی جب سرد نگاہ افشانِ کَون
نبض کی الجھن، نیند کی بیٹھک، وقت کی لوری جانے کون ؟
چاند کے دوش پہ بیٹھے مل کر خواب کا صحرا بُنتے ہوئے
کھولتی روشنیوں میں آیا آس کی راکھ بہانے کون ؟
اَن دیکھے انداز کشوں کی چال سے شاید زخمی ہو
صحنِ ہوا میں لیٹی کچی دھوپ کا دُکھ پہچانے کون ؟
کوزہ گرانِ حرف ہیں سارے سر بہ گریباں آج تلک
چاک پہ گرداں بےانفاس وجود کو اب اِنسانے کون ؟
کس نے فریبِ عوض میں آ کر بِھینچ کے شاخ نمی بیچی
خواب گزیدہ خشک آنکھوں کے چھین گیا افسانے کون ؟
سمت کی منطق بھول گئی، موسم کے دلائل یاد نہیں
ہوش کی باگیں رُو بہ تخیل، بھیڑ رُتوں کی دِھیانے کون ؟

کہاں امیروں کی شہرت کے اشتہار میں ہیں
وہ حوصلے کہ جو غربت کے اک وقار میں ہیں
ہماری ذات کے قضیے کس اعتبار میں ہیں؟
ہوا کے دوش پہ ہیں یا کسی مزار میں ہیں
جو ساعتیں کہ تجھے سوچنے میں کٹ جائیں
وہ مرحلے تو کسی وقتِ مستعار میں ہیں
تکلفات سے بپھرے ہوئے یہ سب لہجے
سنا ہے اب کسی توقیرِ انتشار میں ہیں
کسی کے نام پہ ندّی کا شور پیدا ہو
وہ ولولے مرے خونِ شرر شعار میں ہیں
الجھتے سائے کی پوشش سے صحنِ دل مستور
دھویں کے رقص کسی زرد شاخسار میں ہیں
شمارِ نبض بھلا کر رگوں کی تسبیحیں
عجیب مخمصے ٹُٹنے کو کس قطار میں ہیں
تہِ زمیں سے فضاؤں تلک، سبھی دائمؔ
کئی طرح کے فسانے مرے غبار میں ہیں

جذبِ نوا بَہ موجۂ ِنیل و فرات کر
جنباں کوئَ تو سلسلۂ حادثات کر
افلاسِ ظرف زہرِ ہلاہل ہے، جان لے!
بینائے خُود نمائِ بیجا کو مات کر
آیاتِ کن فکَاں سے مفاہیم بھی ٹٹول
آہنگِ ژَند باف کو مضرابِ ذات کر
اے مستقِل سُکوتِ خَرابہ نشِیں! پُکار
صحرائے اندروں میں کسی سے تو بات کر
بست و کشادِ چشم ہو وردِ شمارِ اسم
یوں لحظہ لحظہ جنبشِ صَوم و صَلات کر
ظرفِ نظر میں لے کے متاعِ مآلِ خویش
نظّارۂ جمالِ گلِ شَش جِہات کر
جو بزمِ خُوش نوا ہے قرینِ پسِ خیال
”اس خوابِ دل نشیں کو مِری کائنات کر“

بھرِ خِطاب زمزمۂ حرفِ راز سے
دائم کشِید رنگِ فرَیبِ حَیات کر

سورج کے پیغام بروں کو دستِ سراب نے تھام لیا
چشمک کے انبوہ نے آخر حیلۂ چشم کا کام لیا
شاخِ انا کی بھور تھی زندہ جس کے تپتے موسم تک
عکس اتار کے نیلی آنکھ نے پائے نِہال سے دام لیا
زرد گیاہ پہ ٹانکے پات کی حُرمت کا کچھ قضیہ تھا
درد شجر کی یاس زدہ کرنوں نے خوب خرام لیا
شورِ عِیار کی بھیڑ میں کیسے سانس کا چلنا ممکن ہو؟
کم زَر جیب کے شہرے سے کل مرگ نے کیا انجام لیا!
مفلِسی کے سر پَیر پہ خواہش اگ کر تختۂ سبز بنی
دوڑ پیادہ، شہرِ توکل سے جا اِک حجام لیا
موتیوں کی چھاتی پر جمتی گرد سے واقف کون نہیں
پتھر بیچ کے، جانتے ہیں سب، کِس کِس نے اِنعام لیا
ذات کے گھرے مرغولوں کی ایک نشست ہوئی پرسوں
اَندر کے اِلزام کشوں نے "دائم" میرا نام لیا

نالہ سیلابِ نارِ گریہ ہے
آہ پروردگارِ گریہ ہے
آدمیت حصارِ گریہ ہے
یعنی تارِ مدارِ گریہ ہے
طرہ بردوش شمعِ ہستی سے
موم گرتا فشارِ گریہ ہے
عہدِ آئندہ خوابگاہِ عروس
عمرِ رفتہ غبارِ گریہ ہے
عارضِ نو دمیدہ پر شبنم
زخمہ یابِ تتارِ گریہ ہے
بستِ مژگاں، کشادِ چشمِ سحاب
لحظہ لحظہ شمارِ گریہ ہے
رقصِ آہوئے شوقِ آوارہ!
پیشِ روئے مزارِ گریہ ہے
اشکِ خونیں سے خدّ افقِ حباب
سرخ بہرِ شرارِ گریہ ہے

....

طاسکِ سرنگوں کی پہنائی
مثلِ کف خواستگارِ گریہ ہے
آتشِ شعلہ وَر کی نیرنگی
لالہ زارِ بہارِ گریہ ہے
ہر نفَس سے عیاں سرودِ سرشت
دخترِ روزگارِ گریہ ہے
سازِ بلبل ہے زمزمہ انداز
نغمہ کارِ فگارِ گریہ ہے
عہدِ نو میں ہر ایک چہرے پر
منسلک اشتہارِ گریہ ہے
بالِ طاؤسِ مردمِ دائمؔ
سر بسر زیرِ بارِ گریہ ہے

سلام

السلام اے آبروئے خونِ مسلم، السلام!
عظمتوں کا استعارہ زیرِ چرخِ کج خرام

داستانِ خوں‌چکاں ہے، داستانِ کربلا
سب کے سب ممتاز ہیں در امتحانِ کربلا
کیا قیامت خیز تھا منظر میانِ کربلا
رو رہی تھی یہ زمیں اور آسمانِ کربلا
کربلا کی سرزمیں ہے گنبدِ نیلو فری
کہکشاں ہیں جاں نثاران و حسین ابنِ علی

کربلا کی ریت پر جس نے ہے دی برہانِ عشق
واصلِ حق تھا وہ، باطل سا نہ تھا انجانِ عشق
توشۂ دامن تھا جس کا اصل میں سامانِ عشق
جان نثاروں میں سے بھی ہر ایک تھا قرآنِ عشق
آج بھی ہے خاکِ کربل یونہی کلکِ غم نگار
اس پہ خونِ آلِ سیّد تھا مثالِ نَم نگار

....

تن بہتّر دے کے بھی جو مسکرایا، وہ حسین
نرغۂ باطل میں بالکل بھی نہ آیا، وہ حسین
جس نے نوکِ تیغ پر کلمہ سنایا، وہ حسین
حق نے یوں صحرا میں جس کو آزمایا، وہ حسین
تھا وہ کوہِ عزم یعنی کربلا کی خاک پر
درحقیقت رفعتوں کے تھا وہ صَد افلاک پر

صبحِ تابندہ، خجستہ فال، فرخندہ جبیں
آفتابِ عزم و ہمت، ماہتابِ نازنیں
نکتہ پرور، دور اندیش و فصاحت آفریں
آسمانِ صدق و عفت ، گلستانِ دلنشیں
اے گلِ خونیں کفن، تجھ پر عقیدت سے سلام
اے نسیمِ مشک سا، تجھ پر محبت سے سلام

خرمنِ زہرا پہ برقِ شعلہ پیکر تھا یزید
تلخ گو تھا، ترش رُو تھا، اور خودسَر تھا یزید

....

سرکش و سفاک و خوں آشام و کافَر تھا یزید
قاتلِ اصحاب و گل چینِ گُلِ تر تھا یزید
تا قیامت طعن کا حقدار گویا ہو گیا
ظلمت و کلفت کا یعنی استعارہ ہو گیا

رُوے احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پُھوٹی ہوئَی روشنی
شوق، نکہت، سخن، تازگی، روشنی
نوکِ خامہ نے حرفِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا
روشنائَی بنی سُرمئَی روشنی
ایک مستور کا اسمِ ظاہر کھلا
نورِ یزداں کی تھی چھرگی روشنی
لفظ ماتم کناں تھے غزل در غزل
نعت لکھی، بنی شاعری روشنی
جس گھڑی شاہِ طیبہؐ تولُّد ہوئَے
سارے آتش کدوں سے بجھی روشنی
مہبطِ وحیِ ربُّ العلیٰ پُرضیا
مکتبِ نورِ حرفِ جلی روشنی
ظلمتوں کے تھے دائمؔ بسیرے بہت
پھر حِرا سے ہویدا ہوئَی روشنی

بہ ظاہر یہ کارِ شریعت ہے فرض
مگر اس سے پہلے محبت ہے فرض
جہاں پر ہو لب بستگی کا رواج
وہاں ان کہی کی سماعت ہے فرض
خدایانِ تازہ بھی ہیں طیش میں
قیامت سے پہلے قیامت ہے فرض
اگر پیش آئے رہِ شوق میں
”تو پھر اکتسابِ مصیبت ہے فرض“
یہ آفت کدہ ہے، گلستاں نہیں
رہِ عاشقی میں اذیت ہے فرض
سبھی چاہیں صورت کی رعنائیاں
نظر میں مری حسنِ سیرت ہے فرض
مہِ رُو درخشاں ہے روٹھا ہوا
مرے چاند! تیری ضرورت ہے فرض
کبھی دل کا ابہام بھی تو کھلے
اشاروں میں دائمؔ صراحت ہے فرض

ذہن کی لوحِ مزار پہ دائمؔ یورشِ معنی سمجھے کون؟
جدتِ ذوق کی داد تو دے دے، پرسشِ معنی سمجھے کون؟
رختِ خیال کو دوشِ نوشتہ مل بھی جائے اگر، لیکن
لفظ میں پنہاں عکسِ تماشا، جوششِ معنی سمجھے کون؟
ذوقِ نمودِ تجملِ مطلق، شعلۂ سینا، طور، کلیم
سب کچھ سادہ سی باتیں ہیں، جنبشِ معنی سمجھے کون؟
میرا تو ہر گام سلاسل میں جکڑا ہے، ظاہر ہے
قدموں کی جھنکار سے عریاں لرزشِ معنی سمجھے کون؟
لفظ لبادہ ہو جائے تو باطن میں ہوگا مفہوم
لفظ اشارت ہو جائے تو پوششِ معنی سمجھے کون؟

جو بزعم اپنے وفا کار بنا بیٹھا ہے
شر کا وہ حاشیہ بردار بنا بیٹھا ہے
اس کی فرفند خُوئَی سے ہیں سبھی آزُردہ
امنِ عالم کا جو اوتار بنا بیٹھا ہے
کوشش و کاوشِ فہمائشِ کج باز عبث!
جبکہ وہ آپ ہی اِکسار بنا بیٹھا ہے
جس کی دستار سے جھڑتا تھا غبارِ عصیاں
دیکھیے! سیدِ اطہار بنا بیٹھا ہے
لطمۂ زُور نہ کیوں عارضِ عسکر پہ پڑے؟
جبکہ سالار ہی مکار بنا بیٹھا ہے
کل تلک دخمۂ خلوت میں نہاں تھا لیکن
آج وہ زینتِ بازار بنا بیٹھا ہے
جادۂ زیست میں ہوتا تھا جو ہم گام مرا
دائمؔ اب سامنے دیوار بنا بیٹھا ہے

بے سمت رِہ گزر پہ جو بوے صبا گئی
موجِ ہواے سبز کا منشا بہا گئی
اترا نہ تھا ہنوز خیالِ نگارِ حسن
پہلو میں فکرِ زیست شتابی سے آ گئی
گوندھا گیا تھا قالبِ غم میں خمیرِ عشق
آتش روی تو جان کا ایندھن چبا گئی
بے ادعاے شور وہ آہِ گلو فشار
کم بخت رَاہ چلتوں کو سینہ دِکھا گئی
سوداے زلفِ غالیہ گوں کا فریب تھا
اترا جو سر سے، کہیے کہ کیا ہی بلا گئی
ابجد گرِ وجود کے مظہر تھے وہ، جنھیں
حرفِ غلط سمجھ کے قضا یوں مٹا گئی
آتش گریز وضعِ فراغت براہِ عیش
کیا بے نمک سی آگ کا چولھا جلا گئی

میں لفظ لفظ کو لوحِ دہاں پہ دھرتا رہا
حروفِ آہ میں نوحوں کے رنگ بھرتا رہا
رخِ عروج پہ غازہ مَلا تنزل نے
غبار اٹھ کے قدم سے مگر نکھرتا رہا
جنوں کی آگ خرد پر شرر فشاں بھی ہوئی
تہی دماغ مگر اس پہ یوں اَپھرتا رہا
خرابہ ہائے سفالیں کی کیا حقیقت ہے؟
ٹپک ٹپک کے وہ قطرہ یونہی بسرتا رہا
جہاں پہ آ کے گرایا مجھے حریفوں نے
اسی غبار سے میرا قدم ابھرتا رہا
پسِ خمارِ نمو کارِ خوں فروشاں ہے
کوئی بکھرتا رہا اور کوئی نکھرتا رہا
شمارِ اسم کا اعجاز اور کیا ہوگا؟
ہر ایک دانے کو دائمؔ میں شعر کرتا رہا

خوفِ نادیدہ

رات کے اس پہر میں اے جانِ جاں!
خلوتوں کے کہر میں لپٹا مرا یہ قالبِ خاکستہ رنگ
سرمئی سوچوں کی ناآلود خوشبو کا حوالہ بن گیا ہے
ابھی کچھ وقت پہلے
کنجِ تنہائی کے ویراں غم کدے کی سرد دیواروں پہ گھر اڈولتا سایہ مرا
اک خوابِ وصلت کے مہکتے تار کھولے
گوشۂ دل کی ادھوری، اَدھ مری، ناخُوب خواہش سے لپٹ کر
حسرتِ تعبیر کی
مدھم فغاں کی آخری ہچکی کے گہرے سانس پر اٹکا ہوا تھا
مگر کڑوی صداقت کی جبینِ زرد پر اک ارتعاشی لہر کا قضیہ
ابھرتے خوف کے اس بے سراغے وہم پر نادید پہروں کا سراپا دیکھ کر
سہما ہوا ہے
جس کی نامعلوم فوجوں کے گرجتے لشکری
ہر لحظہ میری آرزوے قرب کی سانسیں اکھاڑے
قلعۂ جاں منہدم کرنے کی ناآسودہ ثروت
چاہتے ہیں

قسمت سے تو افکارِ نیاگانِ کہن مانگ
اخلاصِ عمل، مہر و محبت کی لگن مانگ
آشوب ہے جو تیرے نہاں خانۂ دل میں
ہنگامۂ خفتہ کو جگا، تابِ سخن مانگ
مہتاب سے، روشن ہے جو سِیمائے افق پر
غافل کو جگا دے جو، کوئی ایسی کرن مانگ
آہوئے حرم! کاخِ فرنگی کو عبث جان!
تو خوگرِ صحرا ہے، کوئی دشتِ ختن مانگ
آئینِ مسلّم ہو جہاں عشقِ بلا خیز!
اے حسنِ جہاں تاب! کوئی ایسا وطن مانگ
اے کشتۂ عریانیِ تہذیبِ فرنگی!
جا! قعرِ مذلت میں اترنے کو کفن مانگ
”شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را“
دائمؔ شہِ کونین کے قدموں میں عدن مانگ

عشق پروردگارِ ایماں ہے
حسن تو اعتبارِ انساں ہے
چاکِ دل سی رہا ہوں سوزن سے
خار تیمار دارِ داماں ہے
تیری نیکی فساد کا باعث
جرم میرا بہارِ زنداں ہے
میری کوشش ہے کارِ بے معنیٰ
تیری ہستی قرارِ وجداں ہے
رمزِ روشن حقیقتِ انساں
لیک رختِ کنارِ مژگاں ہے

موسم کی تلخ و تند لہروں کے سپاہی چل دیئے
جسِ خیال و فکر کی تھی روبکاری، چل دیئے
شاید کسی شعلے کی سستی آنچ سے کچھ مل سکے
ہم نے سفر کی آرزو قدموں میں لائی، چل دیئے
ساعت کے اگلے باب میں اپنا گزر شاید نہ ہو
لمحوں کی ٹک ٹک روک، لی اک انگڑائی، چل دیئے
پایاب! اپنے سر سے طوفانوں کا طرہ نوچ لے
موسم کی تازہ چال سے ٹکرا کے راہی چل دیئے
اے حسنِ مجروحِ نگہ! محرومیوں پر رقص کر
جلتی رُتوں کے مہرباں سارے پجاری چل دیئے
اک جستجو کی کوکھ سے نیندوں کی زنبیلیں کھلیں
تعبیر پھیکی ہو رہی، سب زود خوابی چل دیئے
جُز سجدۂ بےچارگی سرمایۂ غَم کچھ نہیں!
بپھرے رتوں کی دیکھ کر دائم نمائی، چل دیئے

چارہ سازِ یاس و کلفت ، تشنہ لب کی آرزو
اے غمِ عصیاں کے درماں ! اے نشانِ آبرو
اے کہ وہ جو جامعِ شیرازۂ قلبِ حزیں!
اے کہ مطلوبِ نظر، اے خوش خصال و خوب خُو
اے رسولِ اولین و آخریں بر ما کرم!
آپ کی امّت اسیرِ امتیازِ رنگ و بُو
آیتِ "قد جآءکم" تیرا ظہورِ بے حجاب
اور دلیلِ عید میلاد النبی "فالیفرحوا"
آپ رحمت، عافیت اور مغفرت کا ہیں پیام
"رحمۃ اللعالین" اور مژدۂ "لاتقنطوا"
پھر سے صہبائے محبت سے ہمیں کر آشنا
منتشر ہے وحدتِ ایمانِ ملت چار سُو
کلبۂ احزانِ دائمؔ کو منوّر کیجیے!
اے ضیائے نورِ باری! اے مرادِ جستجو!

ولادت نامہ

اپنے بھانجے اذہان محمد کی پیدائش پر چند اشعارِ تبریک

ہو مبارک کہ نمو پائے سرِ لوحِ وجود
صبحِ فرحت کی ہتھیلی میں ولودِ مسعود
ظلمتِ وقت کے چہرے پہ بہاریں اتریں
دوشِ آفاق سے انوار کی دھاریں اتریں
اس کی کلکار سے تاروں کی چھنک پیدا ہو
کہکشاں میں دمِ نازک سے دمک پیدا ہو
چاند جھولے میں اتر کر کوئی قصہ چھیڑے
جب یہ انگلی سے فلک پر کوئی نقشہ کھینچے
نوبہاری کی فضاؤں میں ترنم اس کا
قوسِ ست رنگ سے عریاں ہے تبسم اس کا
نورِ عینین لکھوں والدِ ذیشاں کا اسے
اُمِّ اذہان کی دھڑکن کا سہارا یہ بنے
نورِ فطرت کی تجلی میں نہائے ہردم
گلشنِ رنگ کا شاداب یہ گُل ہو پیہم
کیفِ خوش مندی کی دولت کا سزاوار رہے
ثروتِ خوبیِ طلعت کا گرفتار رہے

لوحِ کن سے ہے رشتۂ بیباک
کون سمجھے گا نکتۂ لولاک
جانِ خستہ رہینِ جورِ فلک
دل بلا کش بہ غمزۂ چالاک
مارِ پوشیدہ در پئے آزار
لیک بے سُود مہرۂ تریاک
طائرِ روحِ تیز رَو آخر!
رہ نہ پایا تہِ خس و خاشاک
آشنائے رموزِ سُفتہ ہوں
جانتا ہوں درونِ ہر پوشاک
عارفِ سرِّ خود شناسی کو
آبِ حیواں نے کر دیا ہے پاک
دہر میں رسمِ کَج ادائی کو
ضبط میرا بنا گیا چالاک
صیدِ خرسند ہوں ترا دائمؔ
حیطۂ خُلد حلقۂ فتراک

سوزِ کلفت جنھیں گوارا ہے
ان کی آہوں کا رنگ نیلا ہے
یہ جو بے نام سا دلاسا ہے
میری بے چارگی کا سایہ ہے
کس سے پوچھوں عذابِ تنہائی
مجھ پہ خلوت کا راز اُترا ہے
کوئی خود ساختہ ہنسی ہوگی
آنکھ کا ایک قُفل ٹوٹا ہے
موسمِ ہجر کے تناظر میں
جسم سے اِک غبار نکلا ہے
آس ٹھہری ہوئی ہے ساحل پر
تشنگی کا لبوں پہ پہرا ہے
یہ سکوتِ مفاہمت ہی نہیں
میری بےچارگی کا نوحہ ہے
اٹھ گئی رسمِ شکوہ بازی بھی
دائمؔ اک آہ کا بھروسا ہے

جنھیں ایّام نے تھی سرد نوائیَ بخشی
انھیں پھر تُو نے جہاں بھر کی خدائیَ بخشی
مہبطِ وحیِ خدا، راہ نوردِ سدرہ!
تجھے اللّٰہ نے ہر شے میں نمائیَ بخشی
مرے سجدوں کے لیے تیری تمنا معراج
"سنگِ در تک تو بہر کیف رسائیَ بخشی"
خصلتِ شوقِ فراواں کی کشش؟ ناممکن!
فیض و انعام نے تیرے یہ گدائیَ بخشی
وہ ترے عشق کا جلوہ تھا، تری آل ہوا
خاکِ کربل کو صفَت جس نے حنائیَ بخشی
مرا لہجہ تھا ترنّم سے تہی قبل از نعت
تری توصیف نے پھر نغمہ سرائیَ بخشی
گل و لالہ کی لہک میں بھی ترا عکس عیاں
نگہِ حسن نے یوں خوب ادائیَ بخشی
نورِ ادراک کی ثروت سے کیا پھر لبریز
ظلمتِ جہل سے، دائمؔ جو رہائیَ بخشی

عجب اپنی یارو! بسر ہو گئی
اِدھر ہو گئی کچھ اُدھر ہو گئی
تری یک نگاہی کا فیضان ہے
زمانے کی مجھ پر نظر ہو گئی
بہر سو ہے شورِ عذاب و ثواب
قیامت کی شاید سحر ہو گئی
الجھتے ہوئے مسئلے، بَن گئے
مری خاک اڑ کر اثر ہو گئی
مری آبرو چشمِ تر سے نہ پوچھ
پسِ غم کی گر کچھ خبر ہو گئی
تصنع کے پہلو میں لپٹی ہوئی
تری بات نقشِ حَجر ہو گئی
غمِ ہجر ہی کی تراشی ہوئی
شبِ وصل کیوں مختصر ہو گئی
محبت کی وہ پہلی باتیں کہاں
محبت ہی جب دردِ سر ہو گئی
طلوعِ توقع کے ہنگام پر
کئی پتھروں کو خبر ہو گئی

غموں کے پیڑ پہ تھی منتظر وہ پیلی آنکھ
ملال کرتی ہوئی لوحِ رُخ پہ سِیلی آنکھ

وہ سَم گزیدہ جو گزری خراب چھایا سے
نہالِ تن پہ اُگی سانپ کی بِسیلی آنکھ

گرسنہ چشم بھی پاتے ہیں رزقِ بینائی
امینِ فیضِ نگاہِ فسوں خلیلی آنکھ

جوان رنگ پہ پیلاہٹیں اتر آئیں
یہ کس صدی کی ہوئی رِہ نشین گیلی آنکھ

فلک کے ساتوں دِوارے یہیں سے کھُلتے ہیں
سمندروں کا تبحُّر یہی ہے نیلی آنکھ

وہ دیکھتی ہے تو منظَر میں جان پڑتی ہے
نشہ لنڈھاتی ہے سرسوں پہ وہ رسیلی آنکھ

کسے ہو ذوقِ تناظر کہ مُو بہ مُو دیکھے
مجالِ حدّ تقابل میں ہے بخیلی آنکھ

کسی کنیّا کے لمسِ بدن کی حسرت میں
نڈھال گلیوں میں سر پیٹتی وہ ڈھیلی آنکھ

یہ جامِ عمر کی بےرہروی کا قصہ ہے
ادھیڑ خوابوں کی آشا بنی نشیلی آنکھ

زعمِ خود داری کا ٹوٹا آسرا میرے لیے
دستیابی میں نہیں حسرت سوا میرے لیے
میں گرا تھا دشمنوں کے کچھ ارادے بھانپنے
فاتحہ پڑھنے لگے سب ہمنوا میرے لیے
جانتی ہے پیاس ہونٹوں پر لُڑھکنے کا ہنر
احتیاطاً جامِ چشمِ نیم وا میرے لیے
ذرۂ ریگِ سراب اس درجہ چمکارا بھرے
ہو گمانِ قطرہ ہمرنگِ ضیا میرے لیے
درد کی ہر ضرب سے دائمؔ شکستِ دل کا مَیل
کم قیامت سے نہیں یہ سانحہ میرے لیے

کیا کیا نہ مری عقل گماں بھول گئی ہے
دنیا تو رہی، شورِ جناں بھول گئی ہے
ہے گامزنِ راہِ طلب رخشِ جنوں تاز
بے ہوش خرد لیک عناں بھول گئی ہے
یوں محوِ تعیش ہے مرا باغِ وطن گاہ
کہتے ہیں، اسے تیغِ خزاں بھول گئی ہے
خاشاک کی مانند بہائے مجھے، دشوار!
آداب سبھی موجِ تپاں بھول گئی ہے
ہنگامِ سحر نالۂ شب گیر کو سن کر
اس دور کے مُلا کو اذاں بھول گئی ہے
جھنکار ہے شمشیر و سناں کی یہاں دائم
گلشن کی فضا رسمِ اماں بھول گئی ہے

سیدہ ماریہ قبطیہ

قِبط کے صحراؤں میں اِک ماہ سِیما گل کھلا
جَلوہ فرما غیرتِ صَد مرغزارِ مصر تھا
تھا رُبابِ شوق کا اِک نغمۂ پُر سوز وہ
بربطِ حُسنِ تفکُّر کا نَوا آموز وہ
اُس سے جنباں ننگ و ناموسِ حَیا کے سِلسلے
شورِ قُلقُل جِس طرح ہو جُوئے نغمہ بار سے
قُدرتِ حَق کی عِناں تابی سے وہ گل پیرہن
ارمُغاں بن کر بسُوئے شاہِ شاہانِ زَمَن
سر زمینِ شہ "مُقَوقَس" سے بصَد فرحت چَلا
خُوبیِ قِسمت، کہ آ گے تھا وِصالِ مصطفیٰ
لِکھ رہا تھا بابِ الفت خالقِ قدر و قضا
راہ میں ہی شوق مَحوِ جبہہ فرسا ہو گیا
حُسن و زیبائی سِمَٹ کر جلوہ پَیرا جب ہوئی
شہرِ طیبہ میں بنامِ "ماریہؓ" خوشبو چلی

....

ذرّہ ہائے خاکِ پائے سیّدہ کا اک نشاں
رُوکشِ صد نجم و شمس و ماہتاب و کہکشاں
ان کے لب نا آشنائے نغمۂ یاس و قُنوط
رفعتوں کی بھی ہے رفعت جن کے قدموں کا ہُبوط
ذکر سے ان کے ترنُّم، نغمۂ داوؑد میں
اک نوائے کیف آگیں بزمِ ہست و بُود میں
شَرفِ اُمّ المؤمنیں کی جب ہوئی خِلعت عطا
قطرۂ نیساں زِ آغوشِ صدَف ظاہِر ہوا
بعدِ زَینب سیّد الاَبرار تھے افسُردہ دِل
اُمّ ابراہیم نے اچھا کیا آزُردہ دِل
آخرش گُل ہو گئیَ وہ شمع، تھی جو جلوہ ریز
نیّرِ تاباں کے جلوؤں کی امیں، وہ صبح خیز
سیّد الاطہار کی وہ ہمدمِ دیرینہ تھیں
واقفِ دستورِ الفت اور وفا آئینہ تھیں
نُدرتِ فِکر و عَمَل کی اک حسیں تصویر تھیں
عِلم و عِرفان و خِرَد کی دلنشیں تحریر تھیں
ذرّہ ذرّہ جِن کی خاکِ تُربتِ معصوم کا
آج بھی ہے رشکِ صد مہتاب دائمؔ برملا

رگِ اوقات سے صدیوں نے نمو چُوس لیا
گرد نے جامۂ ہستی کا لہو چُوس لیا
ہے تحمُّل پہ مرے سر بہ سجود و حیراں
ضبطِ بے لاگ نے یوں جوشِ عدُو چُوس لیا
حلقۂ چشم میں اب خاک بھری ہے گویا
وقت نے ساحلِ مژگاں کا وضو چُوس لیا
جام کیا ہو کہ رگوں سے ہوا خوں بھی غائب
نگہِ شوق نے یوں دستِ سبو چُوس لیا
بندشِ لب ہی پہ موقوف نہیں خمیازہ
جرمِ حق گوئی نے آہنگِ گلو چُوس لیا
فکرِ آسودہ تنی قاتلِ امکانِ سُرور
ذوقِ راحت نے صعوبت کا رَفُو چُوس لیا

بارہ ربیعِ نُور کا فرمان برملا
حُبّ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیجیے اعلان برملا
نعلینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ تصدُّق متاعِ حرف
ہرچند سوچتا ہوں یہ عُنوان برملا
خامہ بدست لفظ کشائی کی رونقیں!
ہر حرفِ نعت بن گیا دیوان برملا
آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمتِ اطہر کے پاسبان!
لازم ہے تجھ پہ شیوۂ حسّان برملا
رحمت نے اُن کی خوف بُھلایا، وگرنہ تھا
پیہم شعورِ تنگیِ داماں برملا
شمشیر تان کر جو پیٔ قتل آئے تھے
خلقِ نبی پہ ہو گئے قُربان برملا
نورِ نبی کو ذاتِ ترفُّع شعار نے
قرآں میں اپنا کہہ دیا اِحسان برملا

....

بد باطنوں نے عمر گنوائی بہ راہِ غیر
صدّیق لائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ ایمان برملا
تھا آبروے زوجِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ
انؓ کا گواہ خود بنا قرآن برملا
پیہم خیالِ حسنِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا مجھے
دائم ثباتِ فکر کا امکان برملا

اپنی حرمت کا وہیں عکسِ اثر رکھتے ہیں
ہیئتِ سجدہ میں جس دار پہ سر رکھتے ہیں
گرچہ دہلیز پہ چھائی ہے سیاہی شب کی
بامِ امید پہ اک شوقِ سحر رکھتے ہیں
زیرِ افلاک سہی، بامِ جبیں سے پہلے
کتنے گردوں سے ورا، ساری خبر رکھتے ہیں
یہ ہے تمثیل کا پیرایہ، وگرنہ آقا ﷺ
قابَ قوسَین سے آگے کا سفر رکھتے ہیں
اُن کے سائے کی کثافت میں کمی کیونکر ہو؟
میرے عیبوں پہ جو ہر گام نظر رکھتے ہیں
کچھ قلم زاد حوالوں کا تسلسل باندھے
وہمِ ناپختہ کو معیارِ ہنر رکھتے ہیں
کاخِ صَدرنگ کے امکاں میں بسیرا نہ سہی
ہم بھی اک آس کا ٹوٹا ہوا گھر رکھتے ہیں
بامِ تزویر سے لٹکی ہوئی دستاروں میں
لوگ دِکھلانے کو کیا لعل و گہر رکھتے ہیں!
خود فراری کی سہولت تو رہے گی دائم
اپنی زنبیل میں دوچار سفر رکھتے ہیں

عصمتوں کے نوحے

گزیدہ عفتیں، لرزیدہ آنچل، غم کشیدہ دل
یہ سب کیا ہے؟
بھلا کیوں ہے؟
کسی وحشی کی یورش کا فسانہ ہے
کسی کی خاطرِ نازک پہ غم کا تازیانہ ہے

ذرا سُننا!
سماعت میں کوئی آہِ فراخ آہنگ
یوں پہلو نشیں ہوگی
کہ سوزِ حرفِ افسردہ سے
پردے گوشِ نازک کے
بھڑک جائیں

صدا کس کی؟
کوئی زینب، کوئی مریم، کوئی مہوَش

....

نوائے آتشیں سے اندروں کا غم سنائے گی

اگر حساس ہو!
دیکھو!
نگاہِ نارسا کی التجائے عرش پیما
کہہ رہی ہے :
"سر بریدہ حسرتوں کے کُہر میں
اک طائرِ بے دَم کا منظر ہے
کوئی آئے!
رِدائے فاطمہ ہاتھوں میں تھامے
شفقتوں کے پھول برسائے
لبِ عُنّاب سے آخر تسلی خیز گُل مہکائے
اور ہاتھوں میں ہواس کے
برائے دشمناں، شمشیرِ بُرّاں
جو درِ شہوت کی سجدہ ریزوں سے
کافرانِ ننگِ عصمت کو اٹھا لائے
اگر ممکن ہو
پھر ان کا کلیجا ہی چبا آئے"

تعلقات کے پھیلے حصار خانے میں
یقیں پنپتا رہا آتشیں گھرانے میں
فنا شعار نہیں وارثانِ مایۂ عشق
”بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں“
میں جس کی اوٹ میں خود کو جری سمجھتا رہا
پتہ چلا کہ وہ پردہ تھا خواب نامے میں
گدازِ حرف نہیں شیوۂ سخن میں نصیب
بھٹک رہا ہوں نجانے کسی بہانے میں
سبیلِ عزم کی گردِ سفر کا دُھتکارا
پھسل گیا ہے وہ بے گام شاخسانے میں
حصارِ ذات میں شامل ہیں مشغلے سارے
تمام شہر کا قضیہ مرے فسانے میں
بہ فیضِ گفتۂ غالبؔ مرا کہا مقبول
مدام رہتا ہوں دائمؔ خیال خانے میں

سرِ لوحِ فغاں مرقوم ہے عنوانِ تنہائی
کوئی ساعت، کوئی لمحہ نہیں شایانِ تنہائی
خمارِ بادۂ وصلت جب اترا، بیقراری ہے
مگر بڑھتا گیا تب سے مرا ایمانِ تنہائی
سکوتِ چشم سے عریاں ہے میرے مَن کا سنّاٹا
ہوائی اڑ رہی ہے شور کی دورانِ تنہائی
وہاں جلووں کی رعنائی کی تقریبِ نمائش ہے
عروقِ تَن میں دوڑے ہیں یہاں پیکانِ تنہائی
خیالِ ربط ابھرتا ہے جبینِ وہم پہ ہر شب
چلا آتا ہے وہ اکثر مرا مہمانِ تنہائی
جہاں ہو غلغلہ میری جہاں داری کی حرفت کا
اسی محفل میں رہتا ہے مجھے امکانِ تنہائی
خیالِ معرکہ ہائے تعشّق پر کروں قرباں
ترے غم سے گریزاں لحظۂ حیرانِ تنہائی
تکلف برطرف، پیوستگی ممنوع ٹھہراؤ
سنا ہے، شہر میں باندھا گیا پیمانِ تنہائی

ڈاکٹرعبدالقدیرخان

شہِ کیواں ہمم، کاؤسِ حشمت اور فریدوں فر
ہما سایہ، قوی پایہ، سخا پیکر، عطا گستر
سریر آرائے تختِ عظمت و شانِ جہاں پرور
اے وہ اسپِ شتاب آہنگ! برقِ شعلۂ صرصر
شگافِ سینۂ اعدا کا باعث ہے نشاں تیرا
دلیلِ صبحِ زرّیں لوح ہے سیمیں گماں تیرا

وسیع الفکر، فرزانہ، جہاں بین و تمام اندیش
نصیحت گر، خرد آمیز، دانشور، پیام اندیش
متین و عاقلِ بیدار، صائب خُو، مدام اندیش
فلک پیما، دُرِ مکنوں، شگفتہ رُو، کلام اندیش
تری سیرت مثالِ آئینہ شفّاف دلکش ہے
ترا منشور محوِ کارِ استعطاف دلکش ہے

....

کلاہِ قیصری ہو یا سریرِ شوکتِ دارا
متاعِ سروری ہو یا بہائے شیشہ و خارا
ہو قصرِ کے، جہانِ جم ہو یا شاہِ جہاں آرا
زرِ زرتاب ہو یا شہرۂ بےجا کا گھوارا
تجھے حاصل ہے استغنا سبھی اشیائے بالا سے
تجھے مطلب خدا کے دین سے اور شاہِ والاؐ سے

تہِ طاؤسِ اخضر قبۂ زَر تجھ پہ نازاں ہے
لبِ عنّاب پر تیرے شرابِ ناب غلطاں ہے
کلیدِ فتحِ شش آئینہ تیری رمزِ مژگاں ہے
دلیلِ قاطعِ باطل تری شمشیرِ بُرّاں ہے
وطن کا محسنِ اعظم، رقیبِ رازِ آگاہی
کماں آسا برائے دشمنانِ ملکِ اسلامی

نگاہِ چابکِ اندیشہ، خرامِ رشکِ رستاخیز
کفِ صحرائے ہستی پر ترا رخشِ غبار انگیز
قطارِ لشکرِ دنداں پسِ لب ہائے معنیٰ خیز

....

سبک پا سوئے منزل تو، مثالِ برقِ تند و تیز
ترا دشمن خمیدہ سر، کبیدہ دل، رمیدہ در
دریدہ لب، گزیدہ غم، چکیدہ نم، فریدہ سر

عروقِ زندہ میں تیری رواں ہے جوہری ثروت
ترا شوقِ عناں کش محوِ سودائے رہِ الفت
شبِ کلفت زدہ میں تو ہے عکسِ خوبیِ طلعت
دقیقہ سنج تیری عقل اور تدبیر ہے دولت
حصارِ جوہرِ ملکِ خدا بخشیدہ تو ہی ہے
برائے دوستاں حیران و آشوبیدہ تو ہی ہے

گلِ امیدِ ہر بے کس، غرورِ ہر تہی داماں
نگہبانِ وطن، اے بندۂ زِیرک، گہر افشاں!
ہنر پرور، خِرد اندوز، شاہِ ملکِ پاکستاں
کریم النفس تجھ سے بڑھ کے کوئی بھی نہیں انساں
سبھی کا ناخدا ہے اور تہی زعمِ خدائی سے
ادائے بد نوائی سے، غبارِ کج ادائی سے

....

ترا فیلِ سبک رَو روندتا جائے ہے اعدا کو
ترا رخشِ صبا رفتار ٹاپے چرخِ بالا کو
ترا ہر نقشِ گامِ تیز رہبر دشت پیما کو
ترا دستِ عطا غیرت دلائے دستِ دارا کو
بہارِ انجمن اے ماہ طلعت! ایک تجھ سے ہے
غمِ جاں کاہ میں سامانِ فرحت ایک تجھ سے ہے

اساسِ ملک مستحکم، حصارِ ملک پائے دار
در و دیوار پر اس کے ہے کندہ اسمِ لف بردار
ہے مملو سینۂ انور مثالِ مخزنِ اسرار
تو تصویرِ لبِ گویا برائے مدعا بردار
سوارِ توسنِ عہدِ رواں تو ہے قدیرِ خاں!
ترنّم ریز گلبانگِ اذاں تو ہے قدیرِ خاں!

لذت کشانِ حسن کے پیشِ نظر گئیَ
ہر بولہوس کی آنکھ قبائیں کتر گئیَ
ابھرا جو سطحِ آب پہ اک عکسِ اشتہار
موجِ رواں حروف مٹا کر گذر گئیَ
اندیشۂ حضورِ طلب کے طلسم پر
"جوئے خیال خونِ تمنّا سے بھر گئیَ"
نیرنگیِ جمال کی چابک خرامیاں
یک لحظہ خوئے عشق جہاں میں بکھر گئیَ
زندانِ روز و شب کو پھلانگوں تو کچھ ملے!
رسمِ حیات زیست کا پابند کر گئیَ
کیا اس کو اپنی ذات پہ کامل تھا اعتبار؟
کشتی یم سیاہ میں کیوں کر اتر گئیَ
بکھرے ہوئے خرابے دکھائی دئیے مجھے
جونہی رخِ حیات پہ میری نظر گئیَ
سجدے میں آ ملا وہ مرا لامکاں نشیں
دائمؔ کچھ اس طرح طَلَبِ بال و پَر گئیَ

اول اول لبھائے جاتے ہیں
آخر آخر بھلائے جاتے ہیں
روئے ہستی سے ہم سے آشفتہ
التزاماً اٹھائے جاتے ہیں
جنسِ جاں ہے گراں قدر جتنی
دام اتنے گرائے جاتے ہیں
تخلیہ! اے بہارِ جاویداں
زرد ایام آئے جاتے ہیں
جامِ تازہ کا لطف دے ساقی!
چند اشارے بُلائے جاتے ہیں
پسِ اِشکال جب نہ دیکھ سکیں
”آئنے کیوں بنائے جاتے ہیں؟“
زندہ رہتے ہیں دھڑکنوں میں مدام
جو بظاہر بھُلائے جاتے ہیں
ہم حقیروں کا مشغلہ یہ ہے
گردِ ہستی اڑائے جاتے ہیں

....

یہ سفر کا مہیب پہلو ہے
کچھ مسافر اٹھائے جاتے ہیں
ظلمتوں کے دبیز پہرے میں
صبح زادے جلائے جاتے ہیں
سحر انداز ہے شبِ یلدا
ہم چلے، ہم بُلائے جاتے ہیں
کیا تماشا ہے اپنا ہونا بھی
“کچھ نہ ہونا” کہائے جاتے ہیں
چند لمحے تری معیّت کے
بے تکلف رِجھائے جاتے ہیں
ہوں جو خاطر نشین چند احباب!
صحنِ عَنقا میں پائے جاتے ہیں
حدتوں کی نمی سُکھانے کو
دھوپ نگری میں آئے جاتے ہیں
روشنی اس طرف نہیں بڑھتی
جس طرف اپنے سائے جاتے ہیں

....

بگڑے طوفان میرے قدموں میں
کیسے سر کو جھکائے جاتے ہیں
میری آنکھوں کے بِن بُلائے لوگ
میرے پہلو میں آئے جاتے ہیں
کیسے سادہ ہیں، ظلمتوں میں بھی
تِیرہ رُوئی چھپائے جاتے ہیں
ہم نے وہ راہ لی، کہ جس سے لوگ
اپنا پہلو بچائے جاتے ہیں

مزاجِ ہمرہاں میں تشنگی تھی
مری پہلی محبت “آخری” تھی
عزا داری کی حرمت لازمی تھی
مگر پہلو میں شاید کچھ کمی تھی
نظارہ مانعِ دیدار ٹھہرا
مناظر کی بہرسو جلوگی تھی
چراغِ راہ تھا، لیکن سلامت!
ہواؤں سے مری وابستگی تھی
زباں بندی کی رسمِ ناروا میں
مری بولی ادھوری رہ گئی تھی
سرِ صحرائے ناپُرساں میں دائم
وہ پہروں اپنا سایہ ڈھونڈتی تھی

مرے چاند!

اماوَس کی کلفت زدہ شب
بہر سُو سِیَہ رُو ردائے کدورت تَنی ہے
ضیاؤں کی سب طرہ بردوش شمعیں
بجھی جا رہی ہیں

اِدھر نیم کشتہ چراغوں سے
یلغارِ دُودِ کثیف
اس طرح آسماں کی طرف اٹھ رہی ہے
کہ حسرت کی آہوں کا پرشور نالہ رواں ہو
یہ تیرہ شبی!
جبکہ فطرت کا ماہِ منوّر بھی
گمنامیوں کی چپٹتی ہوئی دلدلوں میں
دھنسا جا چکا ہے

مرے ماہتابِ فروزندہ!

....

آ جا!
غنودہ و خوابیدہ ماحول میں
تیری قربت کے لمحوں کی آہٹ
مرے خوابِ امید کو
گدگداتے ہوئے یوں رگِ جاں سے
چمٹی ہوئی ہے
کہ ہَستی ہوا اک چاہِ نخشب
اور اس سے ابھرتا ہوا آفتابی نظارہ
مہِ پرِنیاں میں ترا عکسِ بے زنگ
جلووں کا قرعہ نکالے
تو مجھ پر نظر آ کے بیٹھے

مرے چاند!
طاسک پہ عریاں تو ہو!
میرے طورِ جگر پہ کبھی اک کرن کی
تجلی تو ڈال اب
کہ اس میں تری قربتوں کے حوالے کریدوں
کبھی خواب دیکھوں

....

تو اس میں بھی تیری ہی منزل کے
نقشے تلاشوں

مرے چاند!
تنہائیوں کی شبِ تار مجھ سے گذاری نہ جائے
کبھی آ
کہ اب ظلمتوں کی شبوں میں
ترا نقش گویا
مجھے لیلۃالبدر کا سا گماں دے !

میں اس کے وہم کی سرحد پہ ایک بار آیا
مری کتاب میں لیکن وہ صفحہ وار آیا
بہ راہِ چشم پیادہ شعورِ ہستی کا
لطافتوں میں سمٹ کر پسِ خمار آیا
کبھی نہ اس نے ارادے کے دَر پہ دستک دی
"خیالِ ترکِ محبت تو بار بار آیا"
طلوعِ رسمِ عداوت کا سلسلہ! ہیہات!
محبتوں کا ستارہ تو شب گزار آیا
خلائے ذات میں خاموشیوں کا پھیلا کُہر
بہ رنگِ سازِ تکلُّم وہی غبار آیا
سجی ہوئی تھی تخیل کی بزمِ رعنائی
خیال میں وہی ظالم دخیل کار آیا
نئے فسانے کا کردار ہوں نیا، دائمؔ
لباسِ پردہ دری میں بھی پردہ دار آیا

بنائے ہست کی روز ایک اینٹ اتار آیا
جفائے وقت پہ دائمؔ نہ اعتبار آیا
مجھے پتا تھا کہ انجامِ کار کیا ہوگا
سو رُوئے ہست جو آیا تو شرمسار آیا
سنا تھا قبر میں اعمال ساتھ جاتے ہیں!
ملالِ شوق مگر یاں تہِ مزار آیا
سلگتے عہد کا ہر لمحۂ وجود شعار
عذابِ زیست ہوا اور بےشمار آیا
مرے نفَس میں ہے لذت کشیدگی کا ہُنَر
سو بوئے حسن کا ہر ایک عکس اتار آیا
لہو کشید کیا ہے تو ایک شعر ہوا
کہ شعر ہی نہیں، عکسِ دلِ فگار آیا
ابھی تو شہرِ خموشیاں میں آئے ہیں دائمؔ
کہ پھر سے جرمِ تعشق میں رُوبکار آیا

تہِ پردۂ نیلگوں گر کوئی ہے!
کفیلِ مہمّاتِ عالَم وہی ہے
شفیع الاُمَم، سیّدِ کَون و اِمکاں
صداقت شِیَم، مُدرکِ راستی ہے
لبِ جاں سے اسمِ محمد ﷺ پکارے!
جسے تشنگی ہے یا آزردگی ہے
بیاں حسنِ سیرت عمل سے کیا جا!
کہ معیارِ جوہر طریقِ نبی ﷺ ہے
وہ نورِ الٰہی کا عکسِ مجسّم
وہ امید گاہِ گنہگار بھی ہے
عدو ان کا "ابتر"، "عتل" اور "ہمّاز"
جنھیں شانِ کوثر عطا کی گئی ہے
صداقت، عدالت، سخاوت، شجاعت
خلافت کی ترتیب دائم یہی ہے

سوکھے پتوں کا جغرافیہ رہ گیا
زرد موسم کا اک سلسلہ رہ گیا
حالِ دل پر تسلی کی دستک دیے
ایک بے ساختہ قہقہہ رہ گیا
وقت کی گھاٹیاں کھا گئیں منزلیں
”آخری ہم سفر راستہ رہ گیا“
آ گئے شکل سازی کے آلاتِ نو
ماتمی رنگ کا آئنہ رہ گیا
پتھروں کی تجارت ہوئی خوب تر
میرے موتی کا قضیہ دھرا رہ گیا
کچھ تو شرطِ سفر کا حوالہ ملے
راہ میں خار بے فائدہ رہ گیا
کیسے نکلوں حصارِ تنفّس سے میں
میرے اندر خیالِ خدا رہ گیا
میری محرومیوں کے نظائر نہ پوچھ
ذات باقی نہیں، اک خلا رہ گیا

لقمۂ ابلہی چباتے ہوئے
آگہی مل گئی نِزاتے ہوئے
صبحِ امید کی حراست میں
”رات گزری دِیا بناتے ہوئے“
راز اُگلا سفر کا راہوں نے
خاک پاروں کو آزماتے ہوئے
فہمِ امکان کے حصار میں ہوں
خواب کی ہر کَسَک اٹھائے ہوئے
روشنی تھرتھرا گئی آخر
تیرگی کا نشاں مٹاتے ہوئے
دشت کا دشت میرے ساتھ چلا
رختِ آوارگی اٹھاتے ہوئے
چہرگی کے ہجوم میں اکثر
آنکھ پھسلی سراغ پاتے ہوئے

....

سو گئے خود سحر کے رکھوالے
خوابِ تقصیر سے جگاتے ہوئے
بخیے ٹوٹے نہ وحشتوں سے مرے
رنگ پھیکا تھا کلملاتے ہوئے
تابِ جنبش قلم سے چھن جائے!
مصلحت کی کمائی کھاتے ہوئے
آس کی بور جل گئی دائمؔ
تخمِ بے چارگی کھپاتے ہوئے

جو مسیحا سرِ غالیچۂ بیمار گیا
طائرِ روح نکلتا ہوا سرشار گیا
حیطۂ دارِ جنوں روکشِ افہام سہی!
معنیِ عشق سے مملو کوئی طُومار گیا
موجۂ صَرصَرِ ہستی سے لُوَیں جلنے لگیں
عار خوردہ نفَسِ زیست کا آزار گیا
خونِ مقتولِ وفا عشق کا عنوان ہوا
رازِ تسلیم کا قصّہ سرِ تلوار گیا
بھوک نے حسن کی خیرات طلب کی پیہم
یوسفِ حُسن نہیں خود سرِ بازار گیا
آنچ ملتے ہی تبِ شعلۂ غم سے، آخِر
قطرۂ اشک ڈھلک کر پئے رخسار گیا
میرے پہلو میں چمکتا ہوا تابندہ چراغ
باہر آیا تو تہِ پردۂ زنگار گیا

………

کہکشاں عالمِ امکان کی قدموں میں ہے
سرِ بازار نہ چل کر وہ خریدار گیا
روشِ سبحہ شماری جو فراموش ہوئی
دوش پر حلقہ نما پنجۂ زُنّار گیا
ظلمتِ شب میں سرکتا ہوا جائے مجھ سے
سایہ چلتا ہوا دائم پسِ دیوار گیا

گریزاں کیوں شجر سے ہو گئی تھی
شعاعِ مہر پر کائی جمی تھی؟
رواں تھے سیل چشمی کے جریدے
لبوں پر تشنہ کامی ڈولتی تھی
غلط ہے دسترس سے دور رہنا
مرا قضیہ مری خود پھرگی تھی
میانِ دیدہ و لب چھرگی کے
کھلے اسرار کی بے رَہ روی تھی
بہت کی کاوشِ تعبیر خیزی
تہِ چشمِ غنودہ کوندتی تھی
حریم دل میں اک خواہش کی مُورت
پئے ہم حسرتوں کو نوچتی تھی
خرابِ شہرِ منصف ہوں، خدا خیر!
مری حرمت رہینِ آشتی تھی
قبولے کیوں اسے خود دار دائم
نظر اس کی سوالاً ہی اٹھی تھی!

حشر میں جبکہ وہ آئے ہوں گے
کئی چہرے گھبرائے ہوں گے
مفلسِ شہرِ محبت ہوں میں
میری پونجی مرے سائے ہوں گے
صحنِ مژگاں میں غمِ دل نے ضرور
دیپ اشکوں کے جلائے ہوں گے
ہم سے ناقدر شناسانِ حیات
زندہ رہ کر پچھتائے ہوں گے
طلبِ عشق کی جوشش نے ضرور
کئی آزار رِجھائے ہوں گے
سلسلے شوقِ جہاں داری کے
تلخ راہوں نے چرائے ہوں گے
چاندنی سے تری اے ماہِ جمیل!
کتنے مہتاب نہائے ہوں گے
بعد والوں نے مرے فن کے سبھی
اٹھتے آثار مٹائے ہو گے
کروٹیں میری پکاریں دائمؔ!
آج بھوکے ہمسائے ہوں گے

لبِ خیال کو جب لرزشِ بجا کہیے
گدازِ دست کے پھر لمس کو صبا کہیے
میانِ مصرعِ جاری سکوت ہے ممنوع
شروعِ شعر سے آخر تلک روا کہیے
طراوتِ لبِ سوفار کی تراوِش پر
نمِ حیات کی ہر بوند کو دوا کہیے
اشارتاً ہی سہی گفتگوے حرفِ نیاز
بیانِ حسن اگر ہو تو برملا کہیے
مزاج میں نہیں اپنے ادھار کی بولی
زبان ہو تو بھلا کیوں "کہا" کہیے
شکستہ پائی ہمیں مانعِ سفر تو نہیں
شعارِ شوق پہ دائم "خدا خدا" کہیے

ڈاکٹرعبدالقدیرخان

السلام ! اقبالؒ کے اے مردِ مؤمن، السلام
جرأتوں کی اک علامت، رفعتِ کل کا امام
ارضِ پاکستان میں ہے تجھ سے امن و عافیت
دشمنوں کے ہیں عزائم تیرے ہوتے بے مرام
تُو دفاعِ ہمرہاں کی آہنی دیوار ہے
تجھ سے قائم سلسلہ ہائے جنوں بالالتزام
تُو نے اعدا کے تہوّر کو کیا پیوندِ خاک
تیری قہر آلود نظروں میں شجاعت بے نیام
توڑ ڈالا تُو نے پندارِ خدائی کا فسوں
رسمِ سجدہ تھی بروئے دشمناں جب گام گام
جوہری قوت سے بخشا اس وطن کو افتخار
اور سمویا ہمتوں کو پائے لرزاں میں مدام
تیری ہستی کے نمود افروز ہونے سے یہاں
ہو گئے باطل پرستانِ قد آور زیرِ دام

....

ہے رسائیٔ تیری یاں سے ہفت کشور اے قدیر!
تجھ سے رسمِ شاہبازی اور شاہیں تیرا نام
تیری جودت بے نظیر، اے جلوۂ صبحِ یقیں
ملتِ بیضا کی حرمت کے محافظ، السلام
تو نے رفعت کی منازل کی ہیں طے اک جست میں
محوِ حیرت ہیں سبھی اعدا کھڑے بالائے بام
سوز و ساز و کیف و مستی ، جذب و شوق و فکر و فن
ایک پیکر میں سمائے ہیں یہ اوصافِ تمام
تُو حصارِ ملکِ پاکستان کا ثابت ستون
تیرے ہاتھوں میں ہے دائمؔ رخشِ مسلم کی زمام

جو صحنِ صبح میں بیٹھا جوان لڑکا تھا
میانِ شب یہی شب خیز تلملاتا تھا
قبول کر نہ سکا ظاہری علائم کو
حریم ذات پہ محرومیوں کا پہرا تھا
ورائے ہست کے اسرار کھولنے والا
پسِ غبار کسی رہگزر پہ بیٹھا تھا
ببول ابھرے ہیں کیوں کر ہماری دھرتی سے
محبتوں سے بڑوں نے یہ کھیت سِینچا تھا
وہ سر بریدہ شجر، مستقل رہا ثابت
متاعِ عزم کا جو دیرپا حوالا تھا
مری نمود کے قصے کہاں کہاں نہ گئےَ!
مرا ہی نام کتابِ غلط میں پہلا تھا
میں سو گیا تھا کسی خواب کی تراوِش پر
اٹھا تو حشر کا قضیہ بھی تھم چکا سا تھا
ہزار کیف رہا کلفتیں مجھے منظور
مگر کسی کے اشاروں کا پاس رکھنا تھا

………

مفاہمت کے قرینے پکارتے جب جب
میں خودکشی کے تناظر میں کُود جاتا تھا
میں جانتا تھا کہ کیا کیا ہیں مصلحت کے اصول
”اسی لیے میں محبت کی جنگ ہارا تھا“
شفق پہ خون کی ہولی اسی کی کھیلی گئی
افق کی اوٹ سے خود سر جو سر اٹھاتا تھا
مجھی پہ آ کے رُکے ہیں تنزلی کے مقام
کہو! کہ شہر میں خود دار میں اکیلا تھا؟

فصیلِ شہر پہ جنباں یہ دھوم دھام ہے کیا
کسی غریب کی عزت کا انتظام ہے کیا؟
غبارِ زیست کو کہتا ہوں برملا مہلک
اس اصطلاح کے بارے کوئی کلام ہے کیا
نواحِ عشق میں کارِ مزاحمت کے امیں!
بتا کہ تیرا ”اللّہ الخصام“ نام ہے کیا؟
خمارِ ذات اترتا نہیں ہے، کیا کیجے!
کسی کے پاس کوئی بیخودی کا جام ہے کیا؟
خموش لب، تو پھری ہے نگاہِ تیغ بدوش
وہ التفات ندارد! مہِ صیام ہے کیا؟
مرا وجود کہیں بھی نظر نہیں آتا
”مجھے پتا ہے کہانی کا اختتام ہے کیا؟“
قدم قدم پہ قیامت، تو گام گام عذاب
فتور خوردۂ ہجراں کی صبح و شام ہے کیا؟
”کہ آ رہی ہے دمادم صدائے کن فیکون“
مرے خدا! ترا آہنگ ناتمام ہے کیا؟

پیئے جامِ ادراک تشنہ لبی ہے
جبیں پر "محمدؐ" بہ نقشِ جَلی ہے
مرا چہرہ کیوں کر نہ سنّت سے چمکے
مرے دل میں پیوستہ عشقِ نبی ﷺ ہے
قدومِ نبوّت کو سر پر سجانا
خدا کی قسم! خوش نصیبی یہی ہے
جمالِ نبوت کی رعنائیاں ہیں
"وہ جن کے لیے کُل خدائی بنی ہے"
حضور! التفاتِ کرم بہرِ رحمت
لبِ مدّعا سربسر تشنگی ہے!
تَرَحَّم عَلَینَا بِنَعمَآءِ ربّی!
یہاں جبکہ ہر سمت تیرہ شبی ہے
دیانت میں یکتا، وفائی طبیعت
کہ دائم یہی شانِ پیغمبری ہے

دریغا! عہدِ دوراں کی ہوئی تکبیر الٹی ہے
کہیں پر وقت ٹیڑھا اور کہیں تقدیر الٹی ہے
کنارِ شب پہ پہروں لَوٹتے نوحو! ذرا سنبھلو
یہاں پر لب کشائی کی مگر تقصیر الٹی ہے
مرے مسلک میں رنگِ بے خودی کے آب گینوں سے
چھلکتے جام کی ہر لغزشِ تسخیر الٹی ہے
عجب رنگِ تمنّا ہے درِ جاناں پہ مرنے کا
کوئی سمجھے تو مرنے کی یہاں تعبیر الٹی ہے
قدم اٹھتے نہیں، ہٹتے ہیں راہِ خلد سے اپنے
"خدایا! جذبۂ دل کی مگر تاثیر الٹی ہے"
عروقِ تَن سے کیوں کر چشمۂ خونِ وفا اُبلے
ترے دستِ جفاکش میں ابھی شمشیر الٹی ہے
سرِ سودا میں جنبش سے فضائے دشت لغزیدہ
جنونِ شوق کیا، یاں لرزشِ زنجیر الٹی ہے
مئے گل گوں سے اپنی تشنگی کا پاس رکھیے گا
لبِ ناصح سے دائم پھوٹتی تقریر الٹی ہے

وہ ریزہ ریزہ بکھر کر دھواں اڑاتا ہے
”تمھارا عشق جسے خاک میں ملاتا ہے“
خیالِ حسن میں پھروں جو کچھ بناتا تھا
وہ بیخودی میں کہیں مکّھیاں اڑاتا ہے
کوئی جو عہدِ مروّت نبھا نہیں سکتا
عبث وہ کارِ تکلف کا رنج اٹھاتا ہے
شعارِ تیغ زنی اب تو کارگر نہ رہا
قوی ہے وہ جو سلاحِ قلم اٹھاتا ہے
سبھی کی آنکھ سے پتھر ابلتے جاتے ہیں
وہ بے غبار جسے آئنہ دکھاتا ہے
یہ کس کا نام ہے قوسِ قزح کی سطروں میں؟
قبائے حسن میں چھپ کر یہ کون آتا ہے؟
یہ کون ہے کہ جو صبحِ طرب میں آ آ کر
صبا کی آڑ میں پھولوں کا رنگ اڑاتا ہے
زمیں کے راز خلاؤں کے پیٹ میں دے کر
دھواں بھی کس کے اشاروں کی داد پاتا ہے

کبھی انتظامِ ہستی، کبھی انہدامِ ہستی
تہِ بادۂ فنا ہے جنباں خرامِ ہستی
شررِ بساطِ انفُس پہ مدارِ سازِ جنبش
”مرے شوقِ مضطرب سے ہے رواں نظامِ ہستی“
ترے ایک سرّ مژگاں کا پلٹ کے دیکھنا تھا
نظر آ گیا فنا کو بھی یہاں مقامِ ہستی
مرے ہر نفَس کے پیچھے تری حدّتیں ہیں جاری
مری صبحِ زندگانی! اے بہارِ شامِ ہستی
مری ذات سے سرکتے ہوئے لمحو! بھول جاؤ
کبھی تیغِ قہقہہ سے تھی تہی نیامِ ہستی
سرِ جُوئے حسنِ سرکش سے ملی شرابِ وَصلَت
لبِ تشنہ پر ہے دائم یہ نیازِ جامِ ہستی

تکلف کا اشارا جھک گیا تھا
مروّت کا حوالہ بن رہا تھا
لپکتے شعلوں سے خائف مرا دل
میرے پہلو میں سایہ ڈھونڈتا تھا
ادھورے طاق پر تھا میرا قضیہ
کسی کے حسن کا چرچا بجا تھا
مرا سر تھا رہینِ پہر گی یوں
ہتھیلی پر بہردم ڈولتا تھا
عجب کیا! میرا رو رو مسکرانا
مجھے شاید ترا حصہ ملا تھا
فضاؤں کی توجہ کس طرف ہے؟
سرٍ تسلیم کس نے خَم کیا تھا؟
میں ڈھیری ریت کی، بکھری، شکستہ
وہ ٹیلہ سرخرو بپھرا ہوا تھا
میں پاک و ہند کی مشترکہ دختر
”مجھے تقسیم ہونا پڑ گیا تھا“

تکلف کا دریچہ کھل رہا تھا
کسی محرم کا شاید سامنا تھا
جہاں ہر کوئی دھوکا اوڑھتا تھا
وہیں میں تھا، سو پابندِ ریا تھا
محبت میں بھی شامل مصلحت تھی
"مجھے تقسیم ہونا پڑ گیا تھا"
علامت بن گیا اعلانِ حق کا
سرِ صحرا جو اس سجدہ ہوا تھا
شہیدِ داستانِ دردِ دل ہوں
مری حرمت کا قضیہ برملا تھا
چلے آئے کہاں سے باج گیرے
مرا فن دو قدم اب تک چلا تھا
یہ کس آہٹ نے نیند اس کی اڑائی
مرے ماضی کا نوحہ سو گیا تھا
بگولے شام کو کیوں اُٹھ رہے ہیں؟
سنا ہے دائمؔ انساں مر گیا تھا

شعر گوئی مگر فروعی ہے
مدعا بس خود اکتشافی ہے
عام رستوں سے احتراز کرے
شاعری انحراف زادی ہے
تلخ لہجوں کو جذب کر تو لیا
کچھ شہادت میں اور باقی ہے؟
آ کے بیٹھا ہے درد پہلو میں
اور دیوار دل کی ٹوٹی ہے
مر بھی جاؤں تو پھر بھی زندہ ہوں
میرے قضیے پہ آس لپٹی ہے
تیری سوچوں کا منتہا معلوم
میری ہر فکر کائناتی ہے
آہ! بنتِ حوا کی عزت میں
ابنِ آدم کی پائمالی ہے
ہم بھی اترے ہیں اس چناؤ میں
خونِ دل رمزِ انتخابی ہے

وہ میرے سائے کی حرمت کو آزماتے ہوئے
وجود سے نکل آیا دھواں اڑاتے ہوئے
بغاوتوں کے علَم سر پہ باندھ کر نکلے
حروفِ عجز مری شاعری میں آتے ہوئے
فتور خوردۂ زعمِ خود اعتباری ہوں
بڑا یقین تھا کہ ملبے سے سر اُٹھاتے ہوئے
سیاہ چشم کے اس گہرے حاشیے میں لکھا
وہ راز پڑھ تو سہی سرمگی چُراتے ہوئے
یہ کیسا حبس کا موسم مرے دیار میں اترا؟
فضا کے ہاتھ جلے سائباں سجاتے ہوئے
سوائے سُرمۂ چشمِ اَغیل کچھ نہ رہا
بہشتِ شعر میں لفظوں کے آتے جاتے ہوئے
افق افق پہ کیا صرف لطفِ بینائی
اک انتظار میں آنکھوں کو کِلملاتے ہوئے
عداوتوں کی خراشیں جبیں پہ کندہ تھیں
مگر وہ نطق، مسلسل جیا رِجھاتے ہوئے

ادب جزوِ لازم، اَہم عاجزی ہے
سلیقہ ہی معیارِ نعتِ نبی ﷺ ہے
خدا نے انھیں اپنی خاطر سنوارا
”وہ جن کے لیے کُل خدائی بنی ہے“
جو انکارِ ختمِ نبوّت کا حامی!
وہ ملعونِ کُل عالَمیں، دائمی ہے
اٹھو ان کی ناموس پر جان وارو!
یہی اصلِ طاعت، یہی بندگی ہے
عجب کیف پاتا ہوں نعتِ نبی میں
ہر ایک شعر پر عالمِ بیخودی ہے
طلب سے فزوں تر عنایات ان کی
مجھے زندگی بھی وہیں سے ملی ہے
نثارا کروں ان ﷺ کی حرمت پہ دائم
گھڑی دو گھڑی زندگی جو بچی ہے

میرا انکار اک حقیقت ہے
میرا ہونا مری نیابت ہے
اس نے پہلے ہی منع کر ڈالا
عشق کرنے میں اب سہولت ہے
ضربتِ آہ کا تاثر کہہ!
آسماں کی جو نیلی رنگت ہے
عشق، وحشت، جنوں، نہیں کچھ بھی
مجھے آوارگی کی عادت ہے
معتکف ہوں ترے تصور میں
تُو خیالوں کی وہ نہایت ہے
عین ممکن ہے میرا کھو جانا
ابتلاؤں کی سخت شدت ہے
آدمی سے گریز کرتا ہوں
میرا شعبہ جو آدمیت ہے
مقتدی ہیں ظہور کے پہلو
ایک مستُور کی امامت ہے
پسِ حرفِ لہو لہو دائم
مرے احساس کی شہادت ہے

ایک احساس، کہ جو اذنِ دعا دیتا ہے
خانۂ دل میں اک امید جگا دیتا ہے
بے یقینی کی فضاؤں میں پنپتا ہے یقین
وقت اس شعلے کو پھر اور ہوا دیتا ہے
صبر وہ ظلم کہ جو ظلم پہ فریاد کرے
تھپکیاں دے کر اسے بھی یہ سُلا دیتا ہے
اپنی حرمان نصیبی کے قفَس ٹوٹ گئے
آج یہ سوچ کے مانگا کہ خدا دیتا ہے
ہاتھ بھینچوں تو نچڑتی ہے لہو رنگ نمی
نڈر ایسا ہوں کہ سایہ بھی ڈرا دیتا ہے
وہم کی خاک اٹھا کر کے مرا دست شناس
کفِ عریاں کی لکیروں کو تھما دیتا ہے
میں جو ہر روز خیالوں کی گرہ کھولتا ہوں
“کوئی ماضی کے جھروکوں سے صدا دیتا ہے”
میری اٹھتی ہوئی بے رنگ جوانی، صد حیف!
تم تو کہتے تھے کہ “یہ عہد مزا دیتا ہے”

....

بوسۂ راہِ تعیُّش کو اگر گرد بنوں
مری غربت کا وقار اس کو اڑا دیتا ہے
مجھے معلوم ہے اشکال پذیری کا رِیا
کون دیتا ہے دوا، کون دعا دیتا ہے!
کوزہ گر! پوچھ تو لے مجھ کو بنانے سے قبل
جی میں آتا تجھے جیسے، بنا دیتا ہے
مرے الفاظ ہیں غیّور، مرا لہجہ متین
مرا ہر حرف مرے گھر کا پتا دیتا ہے
رنج افزا ہوئی جاتیں ہیں فضائیں کیا کیا!
نامرادی کا ملال ایسی سزا دیتا ہے
مجھ میں اترا ہے وہ طائر کہ بصد سوز و ترنگ
قفسِ جسم کی ہر تار ہلا دیتا ہے
پہلے دیتا ہے شکیبائی کا جذبہ دائمؔ
پھر وہ طرّار مجھے زخم نیا دیتا ہے

نہ آئے تم

پتا ہے!
کل، شبِ فرصت میں
تم ہر رنگ کی چادر لپیٹے
میری خلوت کے سبھی در توڑ کر
آئی ہوئی تھی

وہ آنا بھی!
تیرے جانے کی اک تمہید کا نقشہ
تمھیں پھر مختلف القاب سے ہم نے صدائیں دیں
نہ آئے تم
ہماری ہی پکاروں میں
وہ پہلے سا اثر شاید
نہ تھا
ہم نے صداؤں کو بلا کر
لب سے باندھا

....

اور
تجھ کو شب بخیر اس وقت کہہ کر
انتظارِ نیند میں
تا صبح یوں سنسان بستر پر
ہماری شب
بدلتی کروٹوں سے کھیلتے گزری

نہ آئے تم!

سُونا پڑا ہے قریۂ دالانِ زندگی
جُز کارِ پُر حذر نہیں سامانِ زندگی
اے رمزِ نُہ جِہات کے کشّاف! رِہ سُجھا
جُویا ہیں تیرے قافلہ مَندانِ زندگی
مَرہونِ رَشحہ زائیِ نعتِ حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں
سوغاتِ اَشک لائی ہیں مژگانِ زندگی
دُنیاے شَش جہت کا فسانہ عَبث نہیں
لازم ہے پہلے دیکھیے! عُنوانِ زندگی
اِحساسِ رشتگی سے مرکّب ہو بوند بوند
دائم لہو رہے پیۓ دَورانِ زندگی

دو چار ساعتوں سے گزارا نہیں رہا
یعنی غمِ حیات کا چارہ نہیں رہا
انگڑائیاں بہار کی سہمی ہوئی ہیں کیوں؟
بادِ سموم رُک گئی، دھارا نہیں رہا
حیرانیاں طبیب کی کیونکر نہ ہوں بجا؟
تپتی رگوں کے بیچ میں پارا نہیں رہا
کچے گھڑے کی طرح زمیں ڈولتی رہی
لیکن کسی بھی ہاتھ سہارا نہیں رہا
ہم بھی جھکا کے بیٹھ گئے تب سے اپنا سر
آنکھوں کا تیری جب سے اشارا نہیں رہا
فکری رقابتوں کے امیں چل دیے کہاں؟
حجت پہ ان کی کوئی سہارا نہیں رہا؟
نکلا حصارِ زیست سے، لیکن بصد دریغ
آدھا وہیں ہوں، حیف! کہ سارا نہیں رہا
دائمؔ سہانے دور کی باتیں ہوا ہوئیں
اب آسماں پہ میرا ستارہ نہیں رہا

اُٹھا کے ہاتھ دعائیں کسی کے نام کروں
ان آڑی ترچھی لکیروں کو عکسِ دام کروں
نفَس نفس کی کشاکش نے باندھ رکھا ہے
حصارِ زیست سے نکلوں تو کوئی کام کروں
سلگ رہی ہے کوئی بے نشان چنگاری
کرید پاؤں تو زخموں کو دل کے عام کروں
جھٹک کے نیند مری آہٹوں کے تیور نے
کہا کہ خوابِ عزیمت کا التزام کروں!
طلوعِ ہجر کی افواہ اتنی عام نہیں
شروعِ شب کی سو تعبیر قبلِ شام کروں
تری خدائی میں شامل نشیبِ ذات بھی ہے!
تو بامِ طُور پر لازم ہے، جا کلام کروں؟
بہارِ خلد کو چھینا ہے اے خدا! مجھ سے
مری یہ ضد ہے، یہاں بھی نہ اب قیام کروں
میں ناتمام حوالہ، تہی نشاں دائمؔ
کسی کمال میں ضَم ہو کے اپنا نام کروں

کسی کے دھیان میں پنہاں ہے ارتباط کی روح
کسی کے پاس نہیں ذوقِ اختلاط کی روح
صبا بہ طرزِ طرب گلستاں میں کیا آئی
”ہر ایک پھول میں دوڑی ہے انبساط کی روح“
یہ بے خدائی کے شہروں میں مل نہیں سکتی
دھلے ضمیر میں رہتی ہے احتیاط کی روح
شکستگی کے حوالوں پہ سوچنا چھوڑو
رواں ہو جسم میں لازم ہے انضباط کی روح
غمِ دروں کی کسک پر تو سوزِ پیہم ہے
نگاہِ مست سے چھلکے گی کب نشاط کی روح

میلادنامہ

باعثِ تکوینِ عالَم ،سرنشینِ مہ وَشاں
والیِ کون و مکان و سیّدِ جملہ زماں
نورِ ذاتِ لَم یزَل، اے جلوۂ صبحِ ازَل!
سرورِ کُل خوبرویانِ جہانِ انس و جاں
حرفِ اَدنٰی سے ہے ظاہر شرحِ رازِ قربِ حق
اور اَسْرٰی سے عیاں سیرِ سفیرِ لامکاں
اَلصلوٰۃ وَالسّلام اے رَحمۃ للعٰلمین!
اَلصلوٰۃ وَالسّلام اے غیرتِ صد گُلستاں!
میرِ کارِ کُن فکاں کا آج ہے یومِ ظہورِ
ہیں طَرب میں ساکنانِ اَرض و اہلِ آسماں
ذرۂ خاکی سے لے کر عرش تک سب کیف میں
قلزمِ ہستی کا ہر قطرہ ہے دیکھو، ضوفشاں
چار سُو عالَم میں قائم ہے فضائے انبساط
پیش کرتے ہیں مسلماں الفتوں کا ارمغاں

....

آیتِ فَالیَفْرَحُوا پر آج ہیں سب کاربند
ہر زباں ہے آج ان کی نعت میں رطب اللّساں
قریہ قریہ، بستی بستی آج ہے غرقابِ نُور
نور افشانی کے باعث ذرے رشکِ کہکشاں
بزمِ گیتی میں ہے دائمؔ یومِ کیف و شوق آج
ایک ہے ابلیس ناخوش، ورنہ عالَم شادماں

اے لوحِ نقش! قولِ رَوا دستیاب ہو
جا انحصارِ خوف میں، یا دستیاب ہو
بیٹھا ہوا ہوں، دست کشائی میں محو ہوں
شاید کہ لب کو کوئی دعا دستیاب ہو
پھرتے ہیں کوچہ کوچہ غزل خوانِ عاشقی!
صحرا لپیٹ کر کہ سزا دستیاب ہو
ندرت سمیٹ کر میں تخیل میں، اور اب
اس آس میں ہوں، کوئی ادا دستیاب ہو
سجدوں سے میں زمین کریدے ہوں اس لیے
مٹی سے میرا کوئی خدا دستیاب ہو
کاندھے پہ بیٹھ کر یہ قَلم زادگانِ خویش
اس جستجو میں ہیں کہ خطا دستیاب ہو
احباب مری تاک میں ہیں ایک عمر سے
اس آڑ میں کہ کوئی خَطا دستیاب ہو
مجنوں بھی، عشق زار بھی، لیلیٰ بھی ہے وہی
دائم ہنوز قصہ ہرا دستیاب ہو

نفَس نفَس کی کشاکش کا یہ زمانہ ہے
یہ زندگی نہیں، جینے کا اک بہانہ ہے
خدا کا شکر کر، اے منصفِ خرد اندوز!
فقیرِ ذات کا انداز عاجزانہ ہے
خمارِ عشق میں بہکے ہوئے عزا دارو!
جنوں پہ جوشِ خرد کا یہی نشانہ ہے
رہینِ حسن عقیدت کے دلنشیں جذبات
سجودِ عشق کے لائق وہی یگانہ ہے
مری فَنا ہی پہ موقوف آشتی تو نہیں
مری بقا بھی محبت کا تازیانہ ہے
جہاں شکستہ تنی ہو مزاجِ یاراں میں
وہاں بقائے محبت بھی معجزانہ ہے
خود اپنی لاش پہ نوحے کہو، بہاؤ اَشک
حکایتِ غمِ دُنیا عَبث فسانہ ہے
میں عہدِ نَو کے غریبوں سے عشق کرتا ہوں
امیر کہتے ہیں ”دائمؔ نِرا دِوانہ ہے“

اَنت ابھاو

وقت کی بے ہنگام رفاقت
زرد شفق پہ
باسا کرتی
ناداری کا قضیہ تھامے
ڈوب رہی ہے!

ہجر زدہ آفاق کے نیلے آنگن کی
آبھاس کتھا
یوں کرچی کرچی
شب گردوں کو نوچ رہی ہے!
انگ میں ہر ہر اُتّم شوک
کے کچھ بے انت فسانے
اک بیراگی
جوگ بجوگ کی پتا گانٹھے

....

اندھیارے میں
ڈول رہا ہے

نَین نیارا اک آنسو
گرمیِ ہجر کی بھاگ بھری سے
ٹَپ ٹَپ گرتا
جلتا بَلتا
توشۂ شام میں آکر
اپنے دکھ کی بھاشا
کھول رہا ہے :
بودے ٹَھور کے اس کھدرے میں
اک دکھیارا
ٹوٹے نبھاؤ کے ہر ریشے کی حدّت پر
آنسو اُبالے
اپنا ماتم دیکھ رہا ہے

شانِ صدیق رضی اللہ عنہ

محبتوں کے نگر میں اتر کے دیکھتے ہیں
ہمارے بخت ہمیں بن سنور کے دیکھتے ہیں
رفاقتوں کے سفر کا وہ ایسا فردِ وحید
جنابِ عمرؓ جسے آنکھ بھر کے دیکھتے ہیں
سنا ہے ذہن کی بے راہیاں سمٹتی ہیں
خیالِ محضرِ بوبکرؓ کر کے دیکھتے ہیں
غبارِ رہ پہ ستاروں کا وہم کرتے ہوئے
فرشتے اوجِ فلک سے اتر کے دیکھتے ہیں
لٹا کے حرمتِ قدمینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پہ سبھی
وہ پھر بھی کیوں دردو دیوار گھر کے دیکھتے ہیں
خلل پذیر دماغوں میں تو نہیں آتا
سخن شناس ہنر سے اتر کے دیکھتے ہیں
قتالِ ہو کہ خلافت، کہ خدمتِ نبَوی
کبھی نہیں کہا: حضرت! ٹھہر کے دیکھتے ہیں
وفا کی ساکھ بچانے کے واسطے دائم
ثنائے منصبِ صدّیقؓ کر کے دیکھتے ہیں

مکیں ایسا، مکاں جس کا ورائے لامکاں دیکھا
زمانے کی نگاہوں نے بشر ایسا کہاں دیکھا؟
جلالِ حسن کی نیرنگیاں اُس رُخ پہ جنباں ہیں
جمالِ ذات کا ایسا وہ ماہِ ضوفشاں دیکھا
کوئی اس سیرِ جنّت کے تماشے تو ذرا دیکھے!
فضائے عرش کا سیاح زیرِ آسماں دیکھا
جہاں کی وُسعتیں تیری ہتھیلی میں سمٹ جائیں
بشر کی چشمِ حیرت نے نہ تجھ سا رازداں دیکھا
ترے عشاق کی کیفیتِ جذبِ دُروں دائم
جبیں کو از رہِ طاعت جھکایا، جب نشاں دیکھا

سوز کا ترجماں نہ ہو جائے
درد بڑھ کر بیاں نہ ہو جائے
خضر نے سچ کِیا سکندر سے
زندگی جاوِداں نہ ہو جائے
سجدۃَ عشق جابجا کیجے
ہاں! ہر اک “آستاں” نہ ہو جائے
حرف بے آبرو ہو معنیٰ سے
لفظ یوں سرگراں نہ ہو جائے
تا بہ حدّ کنارِ شامِ سیاہ
کوئی تارہ عیاں نہ ہو جائے
زمہریری فضا کے آنگن میں
صَرصَر آتش بجاں نہ جائے
اکھڑی جائے طنابِ ضبطِ کسَک
“خامشی اب بیاں نہ ہو جائے”
سر بسر غفلتوں کی تہ داری!
آگہی کا نشاں نہ ہو جائے
سرد لمحوں کی ٹکٹکی، دائمؔ
مژۃَ خُوں چکَاں نہ ہو جائے

مرحلہ در مرحلہ اپنا زیاں بَنتا گیا
ابر پھیلا، کُہر اٹھا، آسماں بنتا گیا
اک کسَک تھی اولاً اور شورشِ بیجا بہت
درد جب پھیلا تو دردِ بے اماں بنتا گیا
اوجِ نازش کے ہوئے پرزے سبھی پیوندِ خاک
رفتہ رفتہ یہ گلستاں خاکداں بنتا گیا
اندرونِ ذات جلوہ ریزیوں سے بے خبر
حیف ہے! لیکن سفیرِ لامکاں بَنتا گیا
میرے سجدوں کے تقدُّس کا سبھی فیضان ہے
تیرا در پتّھر سے بڑھ کر آستاں بَنتا گیا
اک تغیُّرِ آشنائی نے لپیٹی یوں بساط
لحظہ لحظہ کاروانِ رفتگاں بَنتا گیا
خار و خَس کے ڈھیر پہ بکھرا تھا عکسِ زندگی
تنکا تنکا جب سمیٹا، آشیاں بَنتا گیا
عشوہ زارِ زیست کا دائم کنارہ آخرش
جلوہ گاہِ خوبرویانِ جہاں بَنتا گیا

بجا ہے، روح کا طائر اُڑا دیا جائے
تنِ ضعیف کو دائمؔ گرا دیا جائے
درونِ زخمِ جگر اک اُبل رہا ہے درد
"علاج یہ ہے کہ نشتر لگا دیا جائے"
ہمیں یہ ضد کہ مہِ بے خسوف ہو عریاں
انھیں یہ فکر کہ پہرا بٹھا دیا جائے
میں کون، کیسے، کہاں، کیوں ہوں، کب تلک، کیونکر؟
اے آئنو! مجھے گھر کا پتا دیا جائے
عبور زیست کے دوزخ کر کر کے آیا ہوں
مجھے صلے میں مرا راستہ دیا جائے
سلگ رہا ہے بدن کے کسی خرابے میں
شرار، خس میں کہ جیسے دَبا دیا جائے
رگِ حیات میں رقصاں لہو کی فرمائش :
مجھے حضورﷺ کے در پر بہا دیا جائے
مناسبت نہیں رکھتا جو مہ عذاروں سے
اُس آفتاب کا چہرہ مٹا دیا جائے

"منافقت کو ملی جب سے رہبری کی سند"
پسِ غبارِ سفر ہم ہوئے ہیں تا بہ ابد
لٹائی عمر جو حسرت کی راہ میں ہم نے
کیا ہے کارِ زیاں ہی میانِ داد و ستد
جنوں تو واصلِ منزل بھی ہو چکا لیکن
رِکاب ڈھونڈنے نکلے ابھی ہیں پائے خِرد
پکار عرش سے "عبدی" کی آ بھی سکتی ہے
صنم پرست زباں پر کبھی تو آئے "صَمد"
شعورِ علم کی دولت سے ہو گئے محروم
اٹھائے سر پہ کتابوں کے پھر رہے ہیں سبَد
وہ چشمِ باز، رسائی تھی جس کی تا بہ فلک
اسی نگاہ کو افسونِ غرب سے ہے رَمد
کئی ہیں سینے جو کھلتے ہیں میری شہرت پر
کئی تو راکھ ہوئے جل کے ہیں بہ سوزِ حسد
کبھی یہ کذب تھا دائمؔ زُباں کا تبخالہ
ابھی تو جاری ہے لب پر بِلا شمار و عدد

اجل ان سے گریزاں، مرنے کو جو پُر ارادہ ہیں
مگر کوتاہ اندیشوں کو اندیشے زیادہ ہیں
مکاں کیا چیز ہے؟ ہم لامکاں کی وسعتوں کو بھی
سمو دیتے ہیں خود میں، صاحبِ ظرفِ کشادہ ہیں
غذائے غیرتِ ملی بھلا کیوں حلق سے اترے؟
کیے زیبِ گلو ہم جبکہ مغرب کا قلادہ ہیں
تعجب کیوں، شہیدانِ وفا جو ہو گئے زِندہ
محافظ ہے قضا ان کی جو جاں برکف نہادہ ہیں
مآلِ آتشِ نمرود ہے اس بات کا شاہد
شرر افشانیاں دائم گلستاں کا لبادہ ہیں

عداوتوں کی وہاں راہ و رسم عام ہے کیا؟
تمھارے شہر میں ایسا بھی اہتمام ہے کیا؟
نگارِ نقش کی بیزاریوں سے کیا سمجھوں
حصارِ فکر سے باہر کوئی مقام ہے کیا؟
ستم رسیدۂ سازِ سخن شناسی ہوں
اب اس سے بڑھ کے مجھے اور کوئی کام ہے کیا؟
کسی وجود کا مجھ پر تصرفانہ ہُنر
بھلا چکا کہ تماشائے صبح و شام ہے کیا؟
وہ جلوہ ہائے رخِ بے حجاب کیا جانیں!
سمجھ سکے جو نہ شمشیرِ بے نیام ہے کیا؟
کوئی تو ہو کہ لگائے جو اس کا تخمینہ
تپاکِ ناوکِ مژگان کی زمام ہے کیا؟
سُلگتے نقش میں پنہاں جو مدعا ہے، سمجھ
یہ چھوڑ سوز و گدازِ رگِ مقام ہے کیا؟
مفاہمت ہی کے دائم سجے گا سر پر تاج
"مجھے پتا ہے کہانی کا اختتام ہے کیا"

شانِ سیدہ خدیجہ کبریٰ

میں بحرِ تفکُّر سے دُر ہائے تاباں
بعنوانِ حضرت خدیجہ چنے اپنے دامن میں حاضر ہوا ہوں
وہ حضرت خدیجہ!
کہ عزّت بھی، شہرت بھی، ثروت بھی، سب جن کی اسلام ہی کے لیے تھی
ہے اسلام میں جن کو حاصل تقدُّم
وہ سنجیدہ خُو، جن کے لہجے میں، لب پہ ترحُّم
وہ حضرت خدیجہ!
سلامِ عقیدت کے تحفے جسے ربّ عالَم عنایت کرے
ہاں وہ حضرت خدیجہ!
خدا نے شرف اُن کو بخشا ہے ایسا
نہ تھا ان سے پہلے، نہ اب ان کے جیسا
ورا ہے بساطِ بشر سے بیانِ خدیجہ
کہ ہے منفرد عزّ و شانِ خدیجہ
وہ حضرت خدیجہ، کہ خاتونِ جنّت کی بھی جن کے قدموں کے نیچے ہے جنّت
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ غم خوار و مونِس
مثیل ان کا دنیا میں کوئی نہیں ہے
یہ ہستی عدن میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریں ہے

فنکار تہی دست ہیں توقیرِ ہنر سے
نالاں ہوں اسی رنج کے سوزندہ اثر سے
اس سحر سے نکلوں تو کسی عکس پہ جاؤں
منظر ہی ترے شہر کا لپٹا ہے نظر سے
بیٹھی ہے مرے سر پہ تردُّد کی اذیت
ہر گام ٹھہرتا ہوں اسی بارِ سفر سے
سلگی تھی جو قابیل کے سینے میں کدورت
دنیا میں لگی آگ اسی ایک شرر سے
اٹھتے ہوئے سورج میں تہوُّر تھا بَلا کا
ہم نے بھی تعلق کیا پیوستہ شجر سے
گو خاک میں بٹتا گیا سرمایۂ تن بھی
اڑنے کو نہ جی چاہے مرا پریت نگر سے
ہے اپنا یہ دستور، کہ چھینا نہیں دائم
منزل کی لگاموں کو کبھی راہگذر سے

کبھی ہوں خضر، حیاتی کا رنگ لانے میں
کبھی ہوں شیوۂ سقراط، زہر کھانے میں
سنبھال سکتے نہیں سر پہ کج دستار
چلے ہیں میری لیاقت پہ حرف لانے میں
کسی کو شغل بہ ہنگامِ شب ہوا مطلوب
کسی کی شام ہوئی کشتیاں جلانے میں
کسی کا شاعرِ محرم لہو اگلتا رہا
وہ بے خبر تھا، رہا تتلیاں اڑانے میں
خمارِ چشم کی افسوں طلب طبعیت پر
ملال ڈوب کے جھپکا شراب خانے میں
لپک کے میں نے اسے اس کے دل سے دی آواز
وہ بےمرام رہا جب سراغ پانے میں
غروبِ ہجر کا دائم وہ زرد نظّارہ
تلف ہوا نہ کبھی شمعِ دل جلانے میں

کفِ صحرا پہ نقشہ رہ گیا ہے
کسی پیاسے کا سجدہ رہ گیا ہے
بجھا سا ایک شعلہ رہ گیا ہے
ہوا میں اس کا سایہ رہ گیا ہے
فنا ہو کر بھی مجھ میں جو بچا تھا
”وہی تیرا حوالہ رہ گیا ہے“
کسک اٹھتی سے دل سے ناگہانی
غمِ دوراں کا خدشہ رہ گیا ہے
زمیں اولاد کو تقسیم کر دی
مگر بیٹی کا حصہ رہ گیا ہے
جسے دریا کی دربانی ملی تھی
وہی کردار تشنہ رہ گیا ہے
جہاں والے یہ کہتے ہیں کہ جنّت
خدائی استعارہ رہ گیا ہے
نہیں کھلتا ”الف“ انسان کا بھی
سراسر یہ معمّا رہ گیا ہے

غبارِ جسم یوں پھیلا ہوا ہے
معمہ اب تلک اُلجھا ہوا ہے
کٹے اشجار کے جغرافیے میں
”پرندہ راستہ بھولا ہوا ہے“
مناظر تھم گئے پہلو بہ پہلو
فضا میں کہر کا رستہ ہوا ہے
یہ کس ساون کا بے موسم اشارہ
ہماری آنکھ میں سِمٹا ہوا ہے
سرِ مژگاں وہ بوند آنسو کی، گویا
ستارہ شاخ سے لپٹا ہوا ہے
پرانے زخم کا قضیہ اٹھا کر
مرے پہلو میں وہ زندہ ہوا ہے
لپکتے چہرے کس جانب مُڑے ہیں؟
مِرا معیار آئینہ ہوا ہے
ہوا نے دشتِ فرصت پر بھی دائم
کسی احساس کو کاڑھا ہوا ہے

اطیب و احسن، اجود و احکم، صلی اللہ علیہ و سلم
اعلیٰ و اولیٰ، انسب و احلَم، صلی اللہ علیہ و سلم
اجمل و اطہر، اشرف و اسلم، صلی اللہ علیہ و سلم
انور و ارفع، احمد و اکرم، صلی اللہ علیہ و سلم
وجہِ وجودِ غائب و حاضر، دنیا و عُقبیٰ جن کی خاطر
باعثِ کُن فیکونِ دو عالَم، صلی اللہ علیہ و سلم
خلق نبی کا سارا ہی قرآں، رشکِ قمر ہے چہرۂ تاباں
ماہِ منور، نورِ مجسّم، صلی اللہ علیہ و سلم
قصۂ کُن کا نتیجۂ اوّل، سب نبیوں سے بالا و افضل
راحتِ عالَم، عالم و اعلَم، صلی اللہ علیہ و سلم
صاحبِ لطف و عطائے بے حد، باعثِ نور و ضیائے بے حد
صدق و صفا کا پیکرِ اعظم، صلی اللہ علیہ و سلم
ہادیِ مرسل، مہرِ درخشاں، شاہدِ حق وہ مہرِ فروزاں
جُود و سخا کا بحرِ مجسّم، صلی اللہ علیہ و سلم
سِدرہ جن کی گردِ سفر میں، لوح و قلم بھی جن کی نظر میں
ساقیِ کوثر، مالکِ زمزم، صلی اللہ علیہ و سلم
واقفِ سرِّ خدائے تعالیٰ، عالَمِ کُل میں یکتا و بالا
مرکزِ مژدۂ دائمِ بے دَم، صلی اللہ علیہ و سلم

امیرِ شہر کیوں بن کر شرار اس پر لپکتا ہے؟
غریبِ شہر کے آنگن میں جو بھی گل مہکتا ہے
محافظ تھے جو ملت کے وہی غدار بن بیٹھے
حجابِ غیرتِ قومی کبھی یوں بھی سرکتا ہے
دمِ تیغِ جنوں نے کیا لکھا بر سینۂ عاشق؟
فرازِ دار پر جو بے خودی میں یوں لہکتا ہے
چراغِ ضبط ہے حالات کی تندی کے پیشِ رَو
وہ جتنا تلخ تر ہوتے ہیں، یہ اُتنا بھڑکتا ہے
سرورِ لمسِ پائے عاشقِ منزل سے ہر ذرّہ!
فلک پر مثلِ انجم کیف و مستی میں چمکتا ہے
اجالا دن کا کیا جانے، جفائے وقت سے ہر دم
کوئی آشفتہ سَر پہلوئے شب میں کیوں سسکتا ہے؟
نرالی ہیں شرابِ عشق کی سرمستیاں دائم
کوئی پی کر سنبھلتا ہے، کوئی پی کر بہکتا ہے

وبَاے تلخ مزاحم تھی میہماں کے لیے
وگرنہ کیا تھا سفر صیدِ ناتواں کے لیے!
علاجِ شیوۂ آگندہ گوش کو لاوٗ!
کہیں سے بانگِ سرافیل، امتحاں کے لیے
بپا ہے لطفِ تحیّر کا زمزمہ کیوں کر؟
یہ کس کی آنکھ ہوئی صَرف اِک دکاں کے لیے
اسے بساوٗ فسانے کے ہر قبیلے میں
وہ ایک تازہ علامت ہوں زندگاں کے لیے
بس ایک رمزِ سحابی کفایتی ٹھہرا
بہت تھا توشۂ ہنگام نیم جاں کے لیے
تہی ہے روح کا سانچہ تپاکِ ہستی سے
اجل رسیدگی قسمت ہر استخواں کے لیے
غبارِ دل سے ہمارے بنا یہ میخانہ
متاعِ ہوش لٹائی ہے خاک داں کے لیے
تبِ حروف سے قرطاس جل گیا دائمؔ
نہیں تھا ظرفِ مناسب مئے تپاں کے لیے

سَت تہذیبوں کا اک قرض جو پُرکھوں نے پرورد کیا
میں نے اٹھا کر فرش پہ پٹخا، پاؤں سے مسلا، گرد کیا
شورِ دروں کی تیز ہوا نے غار کا دھانا زرد کیا
بھولے بھٹکے دھیان کا گھوڑا آخِر جسم نورد کیا
اجنبی دیس کے ساون میں رنگوں کی رَیت نے مُرجھا کر
سرخ لہو میں نیلی بوند ملا کر پہلو سرد کیا
آئنہ پوشی کے القاب اسی کے سر پر جائز ہیں
روشنیوں کی بھیڑ میں جس نے اپنا سایہ فرد کیا
جنس کے خانوں سے باہر یہ سفید ہوائیں کیا جانیں
خاک کو جذبۂ عشق نے مل کر اچھا خاصا مرد کیا
فطرت کے آئین کو دائمؔ کچھ تو مَصرف چاہیے تھا
آدھا بھاگ سپردِ مشیّت، آدھا وقفِ درد کیا

خدا کی چوری

پیڑ آواز کا سر سبز نہ تھا
اندرونِ کفِ انفاس میں
کچھ بیج کسی رُت کے دبائے ہوئے
اک شام شجر بن کے کھڑے ہونے تھے
اک حکایت ہے
ذرا اگرم روی سے سننا !
سبکِ رنگین کے مذعومہ حوالوں سے تہی
طرزِ جاوید کی آوازہ گری میں گھس کر
رہِ تاویل کے آشوبِ فسوں میں گھُلنا

صحبتِ رنگ کی میزان پہ تُلنے کے تکلف میں درخت
ایک بوسیدہ سے سُر تال کے بعد
دستِ اوہام کی پونجی کو لٹا کر خود پر
کرنے نکلے تھے ہواؤں کے تتبع میں خدا کی چوری

....

ہاتھ آیا بھی تو گھن کھایا ہوا تودۂ برف
صیغۂ بادزَنی کے لائق
جس نے پیہم بہ سرِ شامِ سوال
تخمِ آلودۂ اذعان کے عدسے بُن کے
قضیۂ شرحِ بَرومند کے بدلے
کئی افسانوں کی چھاتی کے دِیے گروی رکھے

چشمِ بینا کا تقدس بھی بنا عکسِ ریاساز کا امر
وقت کے گہرے ہیولے جاگے
سرخیِ شام نے آنچل کی اٹھا کر مہمیز
صرفِ اندیشہ میں دُھت ریت کی آذانوں میں
چند صدیوں کی تھکن باندھ کے رکھی ہوئی ہے
اور انجام؟
مری آنکھ کے سہمے ہوئے خوابوں کے چرند
صحنِ ایام کے نرغے میں تھکے، رینگتے ہیں

پیہم نفس نفس کا تسلسل پَسار کے
غم سب مٹے، سوائے غمِ روزگار کے
تعبیر خواب زار کے حصّے میں چھپ گئی
رنگ اڑ گئے جریدۂ بے اعتبار کے
خون ریز گلشنوں کی شہادت کلیدِ فتح
”ہیں تتلیوں کے ہاتھ میں پرچم بہار کے“
بے رحم سائبان میں یاد آ گیا کوئی!
قربان! لمسِ رعشۂ دستِ نزار کے
رعنائیِ فریب کے سانچے میں جَم گیا
اک درد حدِّ ضبط کے حلقے اتار کے
جوشِ جنوں کی بخیہ درازی کے چشم دِید!
مشک آفریں غزال تھے دشتِ تتار کے
بے چہرگی گواہ تھی بوسیدہ وقت کی
نقشے مٹے ہوئے ہیں کفِ انتظار کے
صحنِ فلک میں رقصِ سحابی کی دُھول ہے
ذرے ہیں وجد میں کہ کسی رہگزار کے؟

....

کچھ رازِ بے فنا کا تکلُّف، مرے ندیم!
قصے سُنا نہ لمحۂ ناپائیدار کے
بے پردہ کیفِ صورتِ انسان دیکھ کر
اوسان اُڑ گئے ہیں مہِ داغ دار کے
دار البقا، سنا ہے وہاں زندگی تو ہے!
لو چل دیا ہوں عرصۂ ہستی گذار کے
دائم ہمیں یہ دعویِ بے صَرفہ لے گیا
گرتے ہیں اشک کف میں کسی خواستگار کے

دریدہ دل ہیں جو پہروں جگر کھپاتے ہیں
پھر آئنے کو نیا آئنہ دکھاتے ہیں
جو لوگ عہدِ وفا کو نبھا نہیں سکتے
عبث وہ کارِ محبت کا رنج اٹھاتے ہیں
جبینِ حسن پہ ابھرے ہیں یہ نشاں کیسے؟
سجودِ عشق کے نقشے ہیں گر، مٹاتے ہیں
بجھے بجھے سے ستاروں کے منتشر ذرے
ہم ان کو جوڑ کے پھر کہکشاں بناتے ہیں
مفاہمت کی پکاروں پہ دوڑتے آ کر
عبث نہیں ہیں تو کیا ہیں؟ جو سر جھکاتے ہیں
رگِ حیات میں اپنا لہو بھی شامل ہے
چلو کہ راکھ سے اٹھ کر صدا لگاتے ہیں
خیالِ حسن کی دہلیز پر قدم رکھ کر
رفاقتوں کی امیدوں کے پُل بناتے ہیں
کسی سبب تو فلک تک پہنچ سکیں دائمؔ
خود اپنا آپ جلا کر دھواں اڑاتے ہیں

بے رنگ موسموں کا حوالہ کہیں جسے
بے خواب چلمنوں کا کنارا کہیں جسے
لفظوں کے تن سے خلعتِ تاثیر کیا ہوئی؟
جوہر کہیں سے لاؤ کہ معنی کہیں جسے
میری لغت میں حسن کا گلشن امیں نہیں
حق دار کوئی اور ہے، صحرا کہیں جسے
امکان کی حدوں سے ورا ہے ترا نشاں
“ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے”
جھریاں پڑی ہوئی ہیں جو رخسارِ وقت پر
نادیدہ آرزو کا اشارا کہیں جسے
اتری ہے مجھ پہ آیتِ حسنِ وفا ہنوز
میں ہوں وہی، پیمبرِ فردا کہیں جسے
توصیفِ نعلِ حُسن مجھے لے گئی وہاں
دائم عروجِ فکر کا سدرہ کہیں جسے

بارِ آشفتگی ہٹاتے ہیں
ہم بلا کَش دھواں اڑاتے ہیں
جھیل کے اس سکوت سے باہر
کتنے گرداب سر اُٹھاتے ہیں
ایک مرقد پہ میں یہ لکھ آیا
راستہ دو! کہ ہم بھی آتے ہیں
ساحلِ بے خودی کے باشندے
آتشیں کشتیاں جلاتے ہیں
وہم کی اوٹ میں پنپتا ہوں
آپ بھی تو یقیں چُراتے ہیں
جل رہے ہیں نفَس کشانِ وصال
لمحے پاؤں کٹائے جاتے ہیں
کیا کہیں عاشقی کا کھیل میاں!
راہ چلتوں سے دل لگاتے ہیں

کیفِ ہستی خاک سے افشا کیا
آدمی پیدا کیا، اچھا کیا
لفظ حرمت کے امیں ہوتے گئے
خونِ دل جب جامۂ معنیٰ کیا
خواب کی تعبیر کے بخیے اُڑے
جاگتی آنکھوں نے کیا دیکھا کیا؟
کثرتِ نیرنگِ اعجازِ نمود!
وحدتِ جلوہ نے ہنگامہ کیا
درد نے بکھرے ہوئے اوقات میں
لذتِ آزار کو یکجا کیا
آفتابی فکر کی کرنوں نے آج
بے محابا شبنمی سایہ کیا
میں نے لفظوں کو دیا رنگِ حیات
فکرِ تازہ نے انھیں زندہ کیا
سایۂ دیوار کی سنگت کَٹی
مسکراتی دھوپ نے دھوکا کیا

....

بھاگتا جائے گا اس سے گام گام
وقت نے لمحوں کو یوں پسپا کیا
عیب گنتے ہی گذاری شامِ عمر
مادۂ خصلت مگر مہنگا کیا
نظمِ معنی کی ہوئی تجسیم یوں
جسم قصہ، خاتمہ چہرہ کیا